نکہت سیما

وہ کون تھی

مکمل ناول

جوں ہی طیب بڑے ابا کے کمرے میں داخل ہوئے بڑے ابا کے بیڈ کے کنارے پر ہاتھ رکھے جھکی کھڑی لڑکی ایک دم سیدھی ہوئی تھی اور اچانک ہی اس نے نگاہیں اٹھا کر طیب کی طرف دیکھا تھا اور طیب ٹھٹک کر وہاں ہی رک گئے تھے۔ لڑکی کی آنکھوں میں آنسو تھے جنہیں اس نے بے اختیار ہی ہاتھوں کی پشت سے صاف کیا تھا اور پھر تیزی سے ان کے قریب سے گزرتی ہوئی باہر چلی گئی تھی۔

”یہ۔۔۔ یہ کون تھی۔“ اس سے پہلے تو انہوں نے اسے یہاں نہیں دیکھا تھا۔ حالانکہ ”لاہور“ آئے انہیں ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا تھا اور یہ چہرہ کتنا دیکھا بھالا سا لگ رہا تھا۔ یہ لانبی لانبی آنکھیں۔ یہ تھوڑی کی طرف کو اٹھی ہوئی ناک اور یہ ہونٹ اور گردن کے بائیں طرف سیاہ تل۔ سب کتنا جانا پہچانا تھا حالانکہ اس سے پہلے تو وہ بھی پاکستان نہیں آئے تھے۔ وہ تو وہاں ہی پیدا ہوئے تھے امریکہ میں اور وہاں ہی پلے بڑھے تھے۔ ان کے پپا جمال خان جو بہت چھوٹی عمر میں امریکہ آئے تھے، انہوں نے پاکستان آنے کے متعلق کبھی نہیں سوچا تھا اور ایک بار جو وہاں گئے تو پھر وہاں کے ہی ہو رہے تھے اور کبھی کبھی سب رشتوں کے لئے تڑپتے دیکھ کر انہوں نے ان سے اصرار بھی کیا تھا۔

”پپا! آپ پاکستان جا کر سب سے مل کیوں نہیں لیتے۔“ تو وہ اداسی سے مسکرا دیتے تھے۔

”چلیں گے کبھی۔“

لیکن وہ منتظر ہی رہے تھے اور جمال خان نے کبھی پاکستان جانے کا پروگرام نہیں بنایا تھا۔ لیکن اب اچانک ہی انہوں نے پاکستان آنے کا پروگرام بنا لیا تھا اور طیب جمال کو از حد خوشی ہوئی تھی۔

”ٹھیک ہے پپا! لیکن وہاں بہت زیادہ دن مت لگایئے گا۔ میں اداس ہو جاؤں گا۔“

”مگر جانِ پدر! پاکستان میں نہیں آپ جا رہے ہیں۔“ جمال خان ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسکرائے۔

UrduPhoto.com

"نہیں پپا! آپ کا مطلب ہے میں اکیلا!" انہوں نے ازحد حیران ہو کر پپا کو دیکھا تھا۔

"ہاں میری جان آپ! آپ نے ہی پاکستان جانا ہے۔"

"مگر پپا! میں تو وہاں کسی کو نہیں جانتا اور نہ ہی وہاں کوئی مجھے جانتا ہے۔ میں جا کر کیا کروں گا پپا۔"

وہ جز بز سے ہوئے تھے۔

"یہ میری خواہش ہے بیٹا! کہ جس زمین سے تمہاری اصل ہے، تم وہاں جاؤ ایک بار..... تمہاری جڑیں تو اسی زمین میں ہیں بیٹا۔"

"ٹھیک ہے پپا! میں چلا جاؤں گا مگر بہتر ہوتا کہ آپ بھی میرے ساتھ چلتے۔"

"نہیں....." انہوں نے ایک گہری سانس لی اور اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اب جانے میں کیا حرج ہے؟"

"اب!" ان کی آنکھوں کے آگے جبین کا چہرہ آ گیا۔

پتا نہیں کیوں بہت دنوں سے وہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ جبین کے لئے اپنے دل میں کچھ مختلف سے انوکھے سے احساسات پا رہے ہیں اور جبین! اس نے متعدد بار ان سے کہا تھا کہ ان کے سنگ زندگی گزارنا اس کی اولین ترین خواہش ہے۔ گو انہوں نے جبین سے اس طرح کی کوئی بات نہیں کی تھی۔ پھر بھی وہ جبین کے لئے اپنے دل میں بہت اچھے جذبات محسوس کرتے تھے اور ابھی دو دن پہلے ہی انہوں نے جبین کے ساتھ اس کے والدین کے ہاں ٹیکساس جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ لیکن وہ جمال خان کو ابھی تک نہیں بتا سکے تھے کہ وہ چند دنوں تک ٹیکساس جا رہے ہیں اور جبین کتنی خوش تھی اور کتنی ہی بار اس نے اس کا اظہار کیا تھا۔

"مما تم سے مل کر بہت خوش ہوں گی طیب!"

"پپا میں..... میں وعدہ کر چکا ہوں کسی کے ساتھ۔ پروگرام ہے میرا۔ پھر کبھی پروگرام بنائیں گے بلکہ دونوں ساتھ ہی چلیں گے۔"

"طیب بیٹا! پھر کبھی آپ اپنا پروگرام نہیں بنا سکتے کیا۔ ابھی میرے پروگرام پر عمل کریں پھر میں نے بڑے ابا کو تمہارے آنے کے متعلق اطلاع بھی دے دی ہے۔"

"اطلاع تو جبین نے بھی اپنی مما کو دے دی تھی، لیکن....."

جمال خان کے لہجے میں یکدم اداسی در آئی۔

"بڑے ابا بیمار ہیں اور انہوں نے تمہیں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اور میں نے ان سے وعدہ کر لیا ہے کہ میں طیب کو بھیج رہا ہوں۔ بڑے ابا نے کہا تھا زیادہ دیر مت کرنا۔ میرے پاس بہت زیادہ وقت نہیں ہے۔"

جمال خان نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تھا جیسے وہ ان کا فیصلہ جاننا چاہتے ہوں۔ طیب کی نظریں جھک گئیں۔

وہ جمال خان کو انکار نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے یہ ضرور سوچا تھا کہ اگر بڑے ابا بیمار ہیں تو جمال خان کو خود جانا چاہیے اتنے برسوں کی جدائی کے بعد بڑے ابا نے جمال خان کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کرنے کے بجائے انہیں دیکھنے کی خواہش کیوں ظاہر کی، جبکہ بڑے ابا نے کبھی زندگی میں انہیں دیکھا تک نہیں۔

اور انہوں نے سوچا ہی نہیں جمال خان سے کہہ بھی دیا۔ جمال خان افسردگی سے مسکرا دیئے۔

"تمہیں شاید معلوم نہیں طیب بیٹے کہ اولاد کی اولاد زیادہ پیاری ہوتی ہے۔"

"مگر پپا! آپ نے خود بتایا تھا کہ بڑے ابا کے ساتھ آپ کا کوئی رشتہ نہ تھا بلکہ آپ بڑے ابا کے دوست کے بیٹے تھے۔"

انہوں نے بلاوجہ ہی بحث کی۔

"لیکن اولاد کی طرح ہی پالا ہے انہوں نے مجھے اور ویسے ہی چاہا ہے جیسے منیر شاہ اور حفیظ شاہ کو۔ انہوں نے کبھی مجھ میں اور منیر بھائی اور حفیظ میں تفریق نہیں کی تھی۔"

اور ان کا جی چاہا تھا کہ وہ ان سے پوچھیں کہ تب ہی تیس سالوں میں کبھی مڑ کر خبر نہیں لی اور نہ ہی آپ نے انہیں اتنا زیادہ یاد کرنے کے باوجود وہاں جانے کا سوچا۔ لیکن وہ خاموش ہی رہے اور انہیں خاموش دیکھ کر جمال خان کی آنکھوں میں مایوسی کی دھند سی چھا گئی۔

"بہرحال اگر تم نہیں جانا چاہتے تو....."

"نہیں۔" طیب نے تڑپ کر انہیں دیکھا تھا۔

"یہ تو معمولی سی بات ہے پپا! آپ حکم دیں تو اپنے ہاتھوں اپنا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں رکھ دوں۔"

"لیکن!" جمال خان مسکرائے۔ "جبین کے ساتھ کیا گیا وعدہ توڑتے ہوئے مشکل ہو رہی ہے۔"

"پپا۔" وہ جھینپ گئے اور انہوں نے ازحد حیران ہو کر سوچا۔

بھلا پپا کو کیسے پتا چلا کہ وہ جبین کے ساتھ اس کی مما کے پاس جا رہے ہیں اور پپا کو ہمیشہ ان کی ہر بات کی خبر ہوتی تھی اور وہ ان کی ساری سرگرمیوں کے متعلق باخبر رہتے تھے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید وہ بھٹک جاتے لیکن اب امریکہ جیسے ملک میں رہ کر بھی ان کا دامن صاف تھا اور یہ جمال خان کی وجہ سے ہی تھا کہ وہ ہمیشہ ان سے باخبر رہتے تھے۔ ہر مشکل مرحلے میں ان کی رہنمائی کے لئے آموجود ہوتے۔ کبھی کبھی تو وہ خود بہت حیران ہوتے تھے کہ پپا کو کیسے ان کی سرگرمیوں کا پتا چل جاتا ہے۔ ایک بار جب وہ اپنے دوستوں کے ساتھ نائٹ کلب گئے تھے۔

اور جب وہ ایک بار ایک پب میں دوستوں کے اصرار پر چلے گئے تھے تو پپا نہ جانے کہاں سے وہاں آگئے تھے اور ہاتھ میں پکڑا پیگ ٹیبل پر رکھ کر وہ چپ چاپ پپا کے ساتھ چلے آئے تھے۔

"آئی ایم سوری بیٹا! میری وجہ سے آپ کا پروگرام خراب ہوا لیکن بڑے ابا کی طبیعت بہت خراب ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہ اپنی زندگی میں آپ سے مل لیں۔ آپ کو دیکھ لیں اور....."

"ٹھیک ہے لیکن پپا! ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ بڑے ابا کا آپ کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں۔ ٹھیک ہے انہوں نے آپ کو پالا ہے لیکن میرا ان سے ملنا یا مجھے ان کا دیکھنا ضروری تو نہیں ہے۔"

"ہاں ضروری تو نہیں لیکن میری خواہش ہے بیٹا! اتنے سالوں بعد میری ان سے بات ہوئی تو مجھے بہت دکھ ہوا کہ ان کے دل میں پوتے کی خواہش ہے۔ حسرت ہے۔ سو میں نے سوچا مجھے بھی انہوں نے بیٹوں کی طرح پالا ہے۔ دو سال کا تھا میں جب میرے والدین کا انتقال ہو گیا تھا۔ پہلے والدہ میری پیدائش پر وفات پا گئیں اور پھر دو سال کا تھا تو والد بھی چلے گئے اور اس رشتے سے آپ ان کے پوتے ہوئے نا۔ میں انہیں کوئی خوشی نہیں دے سکا۔ سوچتا ہوں یہ خوشی ہی دے دوں۔"

"ٹھیک ہے پپا! جب آپ کہیں گے میں چلا جاؤں گا۔"

"تھینک یو بیٹا! جبین اچھی لڑکی ہے، اور اگر تمہیں جبین پسند ہے تو تمہاری واپسی پر جبین سے بات کریں گے۔"

اور انہیں جمال خان پر ازحد پیار آیا۔ لیکن ابھی وہ جبین کے متعلق اس طرح نہیں سوچتے تھے۔

جبین خوبصورت تھی۔ دولت مند تھی، اچھی فیملی سے تعلق رکھتی تھی۔ ان سے محبت کرتی تھی۔ لیکن پھر بھی جب بھی وہ جبین سے شادی کے متعلق سوچتے کوئی چیز اندر سے انہیں روکتی۔ میری ان کے تصور میں چلی آتی اور وہ فیصلہ کرتے کرتے متذبذب ہو جاتے۔

"کیا خیال ہے، ابھی فیصلہ نہیں کر پا رہے ہو۔"

"لیس....." انہوں نے اعتراف کیا۔ یوں بھی جمال خان سے ان کی بہت دوستی تھی۔

"کچھ عرصہ دور رہو گے تو فیصلہ کرنے میں آپ کو آسانی رہے گی بیٹا۔ آپ کو پتا چل جائے گا کہ جبین کا وجود آپ کے لئے کتنا اہم ہے۔"

"تھینک یو پپا! آپ نے ہمیشہ ہر معاملے میں میری صحیح رہنمائی کی اگر آپ....."

UrduPhoto.com

"تو..... تو اس وقت کوئی جذباتی سین نہیں چلے گا۔ میری جان اس لئے کہ میں آج ٹرکی لایا تھا اور مجھے ابھی اسے ڈنر کے لئے روسٹ کرنا ہے۔"

یوں وہ پپا کی خواہش پر پہلی بار پاکستان آئے تھے۔ پھر..... پھر اس لڑکی کا چہرہ اتنا آشنا اور اتنا اپنا سا کیوں لگ رہا تھا۔ وہ اپنے آپ سے الجھتے ہوئے آگے بڑھے۔

"یہ دریہ تھی۔" بڑے ابا نے ان کی طرف دیکھا۔

"دریہ!" انہوں نے زیر لب کہا اور سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے جھک کر ان کے ہاتھوں کو پہلے ہونٹوں اور پھر آنکھوں سے لگایا۔

آتے سمے جمال خان نے کہا تھا۔

"طیب! "النور" میں رہنے والے ہر فرد کو عزت و احترام دینا اور بڑے ابا کو خاص طور پر۔ اگر کبھی وہ بلاوجہ ڈانٹ بھی دیں تو برا مت منانا۔ بڑے ابا کے مجھ پر بڑے احسان ہیں۔ وہ نہ ہوتے تو میں بھی نہ ہوتا۔ آج میں جو ہوں، جہاں ہوں، ان ہی کی وجہ سے ہوں۔"

"پاپا! آپ بھی چلیں نا میرے ساتھ۔"

ائرپورٹ پر جمال خان سے رخصت ہوتے ہوئے ایک بار پھر انہوں نے کہا تھا تو جمال خان کے ہونٹوں پر ایک بے بس سی مسکراہٹ بکھر کر رہ گئی۔

"تم میری آنکھیں اپنے ساتھ لے جانا بیٹا! اور سب کو میری آنکھوں سے دیکھنا۔ اور سب کو خاص طور پر بڑے ابا کو بتانا کہ میں انہیں کبھی نہیں بھولا۔ ہر صبح اور ہر شام میں نے انہیں یاد کیا۔"

"پھر بھی آپ خود نہیں جا رہے اور مجھے بھیج رہے ہیں، جبکہ میں تو کسی کو جانتا بھی نہیں۔"

"مجبوری ہے میری جان! تم کیا جانو میرا بس چلے تو....."

اور یہاں "النور" میں سب ہی محبت کرنے والے اور چاہنے والے لوگ تھے۔ سب نے ہی اس کی آمد کو خوشی اور حیرت سے دیکھا تھا۔

"ارے تم جمال کے بیٹے ہو۔"

"اچھا یہ جمال کا بیٹا ہے۔ اور جمال کیسا ہے؟ وہ خود کیوں نہیں آیا؟"

کتنی ہی آوازوں نے اس کا استقبال کیا تھا۔

سب کی ہی آنکھوں میں حیرت اور خوشی تھی۔

تائو منیر شاہ جو بڑے ابا کے سب سے بڑے بیٹے تھے، کتنی ہی دیر اسے سینے سے لپٹائے رہے تھے۔

"ارے تم جمال کے بیٹے ہو۔ تم تو ہمارے اپنے ہو۔"

اور پھر ان کی بیوی تائی حلیمہ اور ان کی بیٹیاں کنزیٰ اور سدرہ۔

چاچو حفیظ شاہ کی آنکھیں تو اسے گلے لگاتے ہوئے نم ہو گئی تھیں۔

"تمہارا باپ میرا بھائی ہی نہیں دوست بھی تھا۔ کتنی شامیں ہم نے بانہوں میں بانہیں ڈال کر مال پر چہل قدمی کی تھی اور کتنی ہی بار پڑھنے کے بہانے ہم دونوں کھڑکی سے چھلانگ لگا کر فلم دیکھنے گئے تھے۔ لیکن وہ..... وہ بے وفا..... بھلا دیا اس نے سب کچھ..... ایسا گیا کہ مڑ کر خبر ہی نہ لی اور اب..... اب بھی تمہیں بھیج دیا۔ خود کیوں نہیں آیا ظالم۔"

حفیظ شاہ کی آواز بھرا گئی تھی تو ان سے الگ ہوتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"چاچو! پپا نے ہمیشہ آپ سب کو بہت یاد کیا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں آپ سب سے غائبانہ واقف ہوں اگر کہیں تو ایک ایک کا نام بتا دوں۔"

اور حفیظ شاہ مسکرا دیئے تھے۔ حفیظ شاہ کی صرف ایک بیٹی تھی۔ اسمارہ شاہ۔ کیوٹ سی ہلکی براؤن آنکھوں والی۔ جو تھی تو یونیورسٹی کی طالبہ لیکن چہرے کی معصومیت سے اسکول کی طالبہ لگتی تھی اور جس نے انہیں فوراً ہی بھائی بنا لیا تھا اور کنزیٰ نے ہنس کر کہا تھا۔

"طیب بھائی! اسے ہر بندے کو بھائی بنانے کا بہت شوق ہے۔"

"ہر بندے کو نہیں۔" اس نے وضاحت کی۔

"ہر بندے کو نہیں۔ ہاں کسی کسی کو دیکھ کر دل میں

یہ خواہش ضرور پیدا ہوتی ہے کہ کاش! یہ بندہ میرا بھائی ہوتا۔"

"باؤلی ہے یہ بیٹا۔" فرحت چچی نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

"بچپن سے ہی اسے شوق ہے، اپنے پاپا سے ہمیشہ ہی فرمائش ہوتی تھی کہ بھائی لا دیں۔ لو بھلا بھائی بھی کوئی بازاروں میں بکنے والی شے ہیں۔" فرحت چچی کے لہجے میں اداسی گھل گئی تو انہوں نے اسمارہ کے سر پر پیار کیا۔

"ہاں! لیکن ہم تو بک گئے۔ آج سے اسمی میری بہن ہے۔"

"سچ!" اس کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔

"بکے والے بھائی؟"

"ہاں بکے والے۔"

اور بڑی امی تھیں جنہوں نے کتنی ہی بار اس کی پیشانی چومی تھی۔

"ارے تو میرے جمال کا بیٹا ہے۔ میرے جگر کا ٹکڑا اسے کبھی ماں کا بھی خیال نہیں آیا۔ کچھ بتایا تک نہیں۔ ملا بھی نہیں۔ آج تک نہیں پتا کہ اچانک کیوں روٹھ کر چلا گیا۔ خفا ہو گیا۔"

انہوں نے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ لے لیا تھا اور کتنی ہی دیر تک وہ دھندلی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہیں۔

"میں نے جمال، حفیظ اور منیر میں کبھی فرق محسوس نہیں کیا۔ کبھی اس کی کوئی بات نہیں ٹالی تھی۔"

"بڑی امی! یقین کریں پپا بھی آپ کو بہت، بے حد، بے حساب یاد کرتے ہیں۔ میں گواہ ہوں ان کے رتجگوں کا۔ ان کے ان آنسوؤں کا جو انہوں نے آپ سب کی یاد میں بہائے، لیکن پتا نہیں ایسی کیا مجبوری تھی کہ وہ آپ سب کو بے حد، بے حساب یاد کرنے کے باوجود یہاں نہیں آسکے۔"

"بڑی امی! طیب صحیح کہتا ہے۔ جمال کبھی ہمیں اور اس گھر کو نہیں بھول سکتا۔ میں جانتا ہوں۔ ملا جو ہوں اس سے۔ اگرچہ پچیس سال ہو گئے ملے ہوئے بھی

لیکن بڑی امی میں جتنے دن اس کے ساتھ رہا۔ اس نے آپ کو بہت یاد کیا۔"

"اور کوئی مجھے نہیں بتاتا کہ پھر وہ ہمیں چھوڑ کر کیوں چلا گیا۔ کیوں پتھر کرلیا اس نے اپنے دل کو۔ حالانکہ وہ..... وہ تو۔ طیب بیٹا میں ادھر ادھر ہو جاتی تو رونے لگتا۔ دیوانہ وار ہر کمرے میں ڈھونڈتا۔ رات کو تمہارے بڑے ابا کی انگلی پکڑ کر سوتا۔ بس اس کے دل میں ڈر بیٹھ گیا تھا کہ اس کی ممی ڈیڈی کی طرح ہم بھی کہیں اسے چھوڑ کر چلے نہ جائیں۔ بس میرے پیچھے پیچھے پھرتا رہتا۔ کچن میں جاتی تو کچن میں ساتھ ہی....."

بڑی امی نے ان چند دنوں میں جمال خان کے بچپن، جوانی اور لڑکپن کی کتنی ہی باتیں ان سے کر ڈالی تھیں۔

اور بڑے ابا تو شاید جمال خان کے سب سے زیادہ قریب تھے اور سب سے زیادہ جانتے تھے انہیں۔ وہ ان سے کرید کرید کر چھوٹی چھوٹی باتیں پوچھتے۔

"کیسا ہے اب جمال؟"

"اداس تو نہیں رہتا؟"

"تمہاری ممی کیسی تھیں؟ علیحدگی کیوں ہوئی؟ پھر شادی کیوں نہیں کی؟" وغیرہ وغیرہ

یہاں اس گھر میں اتنی محبتیں تھیں، اتنا پیار تھا اور جمال خان نے انہیں اب تک ان محبتوں سے دور رکھا ہوا تھا اور وہ خود کہاں آ رہے تھے اب بھی۔ جین ان سے کتنی خفا ہو گئی تھی۔

"سوری جین! میں پاپا کو ہرٹ نہیں کر سکتا۔ ان کا مان نہیں توڑ سکتا۔ ان کا خیال ہے کہ وہاں پاکستان میں بڑے ابا کو میری ضرورت ہے اور پھر ایک ماہ کی بات تو ہے تو میں آجاؤں گا اور پھر ہم تمہاری مما کے پاس چلیں گے..... اور....."

"اور....." وہ کہتے کہتے رک گئے تھے کہ آکر وہ اسے مانگ لیں گے۔ پتا نہیں کیوں شاید وہ اسے اچانک سرپرائز دینا چاہتے تھے۔ جین کا خیال آتے ہی لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہو گئی اور وہ بڑے ابا کا ہاتھ تھامے تھامے ان کے قریب ہی ان کے بیڈ پر بیٹھ گئے۔

"یہ دریہ میری نواسی ہے۔ نور کی بیٹی۔ میری بیٹی نور الہدیٰ۔"

"نور الہدیٰ!" وہ چونکے۔

"ہاں نور الہدیٰ۔ دونوں بھائیوں سے چھوٹی تھی۔ بہت لاڈلی۔ بہت پیاری مگر سب سے پہلے چلی گئی۔ اور زخم کر گئی میرے دل میں۔ تار تار کر دیا میرے وجود کو۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"نور الہدیٰ..... نور الہدیٰ سید۔"

ان کے اندر کوندا سا لپکا۔

"تب ہی۔ تب ہی یہ چہرہ اتنا آشنا لگ رہا تھا اتنا جانا پہچانا۔"

"میری نور کی نشانی ہے یہ اپنے باپ کے پاس رہتی ہے۔ کبھی کبھی آجاتی ہے ہم سے ملنے، مگر بہت مشکلوں سے، نہیں آنے دیتا اس کا باپ اسے یہاں۔ کتنا چاہا تھا ہم نے کہ نور کے بعد اسے یہاں لے آئیں لیکن....."

بڑے ابا ہولے ہولے بول رہے تھے لیکن ان کا ذہن نور الہدیٰ سید میں اٹکا ہوا تھا۔

تو نور الہدیٰ سید..... کتنی ہی بار پاپا کے لاکر سے انہوں نے نور الہدیٰ سید کی تصویر نکال کر دیکھی تھی۔ بالکل وہی آنکھیں، وہی ناک، وہی ہونٹ، حتیٰ کہ گردن پر دائیں طرف تل بھی ویسا ہی۔ جمال خان دیکھتے تو شاید دھوکہ ہی کھا جاتے۔ اتنی زیادہ مشابہت چرائی تھی دریہ نے اپنی ماں کی۔ یہ تصویر تو ان کے دماغ میں نقش ہو چکی تھی تب ہی تو دریہ کو دیکھ کر وہ چونکے تھے۔ کتنی ہی بار پپا کو انہوں نے رات کی تنہائی میں نور الہدیٰ کی تصویر لاکر سے نکال کر دیکھتے دیکھا تھا۔ ان کی آنکھیں اکثر تصویر دیکھنے کے بعد گیلی گیلی ہوتیں۔

"اور یہ کس کی تصویر ہے جسے پپا دیکھتے ہیں؟" برسوں انہوں نے سوچا تھا اور پھر خود ہی فرض بھی کرلیا تھا کہ یہ تصویر ان کی ماں کی ہے اور پپا کو ان کی ماں سے بہت محبت تھی تب ہی تو انہوں نے مما کے بعد پھر

شادی نہیں کی اور پپا کی عدم موجودگی میں کتنی ہی بار انہوں نے اس تصویر کو لاکر سے نکال کر دیکھا تھا اور سوچا تھا۔ یہ ان کی مما ہیں۔ اتنی باوقار اور اتنی خوبصورت۔ مگر پھر جب انہوں نے اولیول کلیئر کیا تھا اور تب ان کی عمر اٹھارہ سال تھی تو اچانک ایک روز پپا ایک امریکن عورت کے ساتھ آگئے۔ جس کی آنکھیں کثرت شراب نوشی سے سوجی ہوئی تھیں اور جو انتہائی واہیات ڈریس پہنے ہوئے تھی اور جو غالباً اس وقت بھی نشے میں تھی اور عجیب بہکی بہکی باتیں کر رہی تھی۔

"طیب!" اس نے ان کی طرف اشارہ کیا تو جمال خان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"طیب مائی سن۔" وہ دونوں ہاتھ پھیلائے ان کی طرف بڑھی تو وہ بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔

"بیٹا! یہ میری ہے تمہاری مما اور....."

"نہیں..... " ان کا دل جیسے ان کے سینے میں پھڑپھڑا کر رہ گیا تھا۔ "بھلا میری مما کیسے ہو سکتی ہیں۔" وہ بیوی کی کھڑکی سے رہتے تھے کسی چہرے کے ساتھ اور اگر یہ میری ماں ہے تو وہ..... وہ کون ہے وہ لانبی آنکھوں اور دلکش مسکراہٹ والی تصویر....

"ٹیں یو آر مائی سن۔ مائی اون سن۔"

میری دو قدم آگے بڑھی تو وہ دو قدم اور پیچھے ہٹ گئے۔ ان کا دل اس عورت کو ماں تسلیم کرنے کے لیے قطعی تیار نہ تھا جس کی آنکھوں میں عجیب سی کرختگی تھی اور.....

"نہیں....." انہوں نے میری کے بڑھے ہوئے ہاتھ جھٹک دیئے اور اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئے اور اپنے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے انہوں نے اپنے پیچھے میری کا قہقہہ سنا۔ اونچا اور بے ہنگم قہقہہ۔

"یہ میرا بیٹا ہے..... یہ..... یہ تم نے جمال خان! اسے اپنی طرح سینٹ بنا دیا ہے۔ وہ مجھے، میرے لباس کو ناپسندیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں میرے لیے بیزاری تھی، نفرت تھی۔ میرے بیٹے نے مجھے ریجیکٹ کر دیا ہے جمال خان! تم نے دیکھا؟"

تو وہ سچ مچ ان کی ماں تھی اور وہ زندہ تھی لیکن پپا نے انہیں کبھی کیوں نہیں بتایا؟

وہ اپنے بستر پر گر گئے۔ ان کے دل و دماغ میں طوفان سا برپا تھا۔ کتنے بہت سارے برس انہوں نے دل ہی دل میں اس تصویر کی پرستش کی تھی۔ اس سے باتیں کی تھیں۔ اسے ماں سمجھا تھا اور اب یہ ایک عورت آگئی تھی۔ ان کی ماں ہونے کا دعوا لے کر ان کا دل کسی طور اسے ماں ماننے کو تیار نہ تھا۔ لیکن یہ عورت بہرحال ان کی ماں تھی۔

کاش! یہ عورت میری ماں نہ ہوتی۔ اس نے مجھے جنم نہ دیا ہوتا۔

ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے اور انہوں نے بہت چاہا تھا کہ وہ نہ روئیں لیکن تکیہ ان کے آنسوؤں سے بھیگتا چلا گیا تھا۔ تب کچھ دیر بعد جمال خان ان کے کمرے میں آئے تھے اور انہوں نے آہستگی سے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھا تھا۔

"طیبی!"

"پپا!" انہوں نے اپنا سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا اور جمال خان نے بے اختیار انہیں اپنے بازوؤں میں بھر کر اپنے سینے سے لگا لیا تھا اور بہت دیر تک یونہی اپنے ساتھ لپٹائے ان کے بالوں پر اور ان کے چہرے پر پیار کرتے رہے تھے۔

"ریلیکس میری جان! ریلیکس۔" اور جب وہ سنبھلے تو انہوں نے معذرت کی تھی۔

"سوری بیٹا! میں آپ کو اس سے پہلے میری کے متعلق نہ بتا سکا۔ میں نے سوچا تھا بیٹا ایک بار کہ آپ کو میری کے متعلق بتا دوں، لیکن میری جب آپ کو چھوڑ کر گئی تھیں تو پھر مڑ کر انہوں نے خبر ہی نہ لی اور نہ ہی مجھے کہیں نظر آئیں۔ ایک بار اس کی ایک سہیلی سے میں نے پوچھا تھا تو اس نے بتایا تھا کہ وہ آسٹریلیا چلی گئی ہے۔ تب میں نے سوچا خواہ مخواہ آپ ڈسٹرب ہوں گے۔ آپ کے دل میں اپنی ماں کو دیکھنے اور ان سے ملنے کی خواہش پیدا ہونا فطری تھا اور مجھے اس کے متعلق کچھ علم نہ تھا۔ بیٹا! آئی ایم رئیلی سوری۔"

UrduPhoto.com

"اور اب..... اب بھلا انہیں آنے کی کیا ضرورت تھی پپا!" ہاتھوں کی پشت سے اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے انہوں نے شکوہ کیا۔

"جب وہ چھوڑ کر چلی گئی تھیں اور اٹھارہ سال مڑ کر خبر نہیں لی تو اب کیوں..... اب کیوں چلی آئیں میرے خوابوں کو ملیا میٹ کرنے کے لئے۔"

"بیٹا! ماں ہے نا۔ اتفاقاً" آج مجھ سے ملاقات ہوئی تو دل چاہ گیا ہوگا تمہیں دیکھنے کو' تم سے ملنے کو۔"

اور طیب خان نے بہت غور سے جمال خان کو دیکھا۔ کس قدر باوقار' کس قدر ڈیشنٹ پرسنیلٹی تھی ان کی۔ ان کے ساتھ بھلا میری کا کیا جوڑ۔ ان کے ساتھ تو وہ ہی سجتی تھی۔ وہی تصویر والی عورت۔

"نہیں پپا! یہ عورت میری ماں نہیں ہو سکتی اور اگر یہ عورت میری ماں ہے تو وہ کون ہے..... وہ جس کی تصویر آپ کے لاکر میں پڑی ہے اور جسے ہر رات ایک عبادت کی طرح آپ دیکھتے ہیں اور....."

"آپ..... آپ نے وہ تصویر.....!"

جمال خان نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"سوری پپا! میں نے ......" وہ یکدم نادم سے ہو گئے۔

"بہت پہلے ایک بار جب آپ نے مجھے لاکر سے اپنی فائل نکال کر لانے کو کہا تھا تب پہلی بار میں نے وہ تصویر دیکھی تھی اور پھر اس کے بعد اکثر جب بہت اداس ہوتا تھا نکال کر دیکھ لیتا تھا۔ میں نے سمجھا تھا پپا یہ تصویر مما کی ہے۔"

"وہ تصویر....."

"مگر یہ مما کی تصویر نہیں ہے پپا تو پھر آپ اسے دیکھتے کیوں ہیں..... روتے کیوں ہیں اسے دیکھ کر۔" وہ سوال پر سوال کئے جا رہے تھے۔

"یہ تصویر نور الہدیٰ سید کی ہے۔"

"کیا آپ ان سے محبت کرتے تھے پپا..... اور اگر محبت کرتے تھے تو پھر آپ نے ان سے شادی کیوں نہیں کی۔"

"جان پاپا!" جمال خان بے بسی سے مسکرائے تھے۔ "بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کی کوئی توجیہہ ہمارے پاس نہیں ہوتی۔ اینڈ ناؤ کم آن۔ میری انتظار کر رہی ہے آپ کا۔"

اور وہ خاموشی سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے حالانکہ وہ میری کے لئے اپنے دل میں اس طرح کا کوئی جذبہ محسوس نہیں کر رہے تھے جیسا کہ انہیں محسوس کرنا چاہئے تھا۔ پھر بھی وہ جمال خان کی خاطر ان کے ساتھ لاؤنج میں آ گئے تھے۔

میری بے ترتیبی سے صوفے پر سو رہی تھی۔ اس کا ایک بازو نیچے لٹکا ہوا تھا۔

"میری..... میری!" جمال خان نے اسے آواز دی تھی۔ "دیکھو یہ طیب ہے۔ اب جی بھر کر اس سے باتیں کرو۔ دیکھو میں اسے لے آیا ہوں۔ تم کہہ رہی تھیں نا کہ تم آج رات اس سے باتیں کرو گی۔"

لیکن میری بہت گہری نیند میں تھی۔ ان کے پکارنے بلکہ جھنجھوڑنے پر بھی نہ اٹھی۔

"چلئے پپا!" وہ بیزاری سے اپنے کمرے میں آ گئے تھے۔

کیسی عورت تھی یہ۔ اٹھارہ سال بعد اپنے بیٹے سے ملنے آئی تھی' اس سے باتیں کرنے آئی تھی اور پھر بیٹے سے باتیں کئے بنا سو گئی تھی لیکن وہ ساری رات نہ سو سکے تھے۔ کئی بار ان کا جی چاہا چپکے سے اٹھ کر باہر جائیں اور اس عورت کو ایک نظر دیکھیں جس نے انہیں جنم دیا تھا لیکن پھر دل پر ضبط کے پہرے بٹھائے وہ مضطرب سے ساری رات اپنے کمرے میں ٹہلتے رہے اور میری بہت آرام سے ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر سوئی رہی۔ صبح کے وقت جمال خان دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اندر آ گئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں کافی کے دو کپ تھے۔

"مجھے پتا تھا بیٹا! آپ ساری رات سو نہیں سکے ہوں گے۔"

"اور جب آپ کو پتا تھا پپا! پھر آپ اسے' اس عورت کو اپنے ساتھ کیوں لائے۔ کیا تھا اگر میں ساری زندگی نور الہدیٰ سید کو اپنی ماں سمجھتا رہتا۔"

انہوں نے دل ہی دل میں شکوہ کیا اور جمال خان کے ہاتھوں سے کافی کا بھرا ہوا مگ لے لیا۔

"میری ابھی سو رہی ہے۔" جمال خان نے ان کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بتایا۔

"بعض حقائق بہت تلخ ہوتے ہیں بیٹا! لیکن انہیں قبول کر لینا چاہئے۔ میری اٹھ جائے گی تو اس سے اچھی طرح بات کرنا۔ عزت سے پیش آنا۔ بہر حال وہ تمہاری ماں ہے۔"

"پپا! آخر آپ نے اس عورت سے شادی کیوں کی؟ یہ عورت آپ کی چوائس کیسے بنی پپا میں یقین نہیں کر سکتا۔"

"زندگی میں سب کچھ آدمی کو اس کی چوائس کا نہیں ملتا میری جان' کبھی کبھی حالات بھی انسان کو مجبور کر دیتے ہیں۔"

"پھر بھی پپا! اگر آپ کو کسی غیر ملکی لڑکی سے ہی شادی کرنا تھی تو یقیناً "میری سے بہتر لڑکیاں بھی رہی ہوں گی اور تب آپ کی شخصیت تو اتنی شاندار ہے کہ کوئی بھی لڑکی....."

ان کے لبوں کے کونے پر ایک مدھم سی مسکراہٹ ابھری اور وہ طیب کی بات کا جواب دیئے بغیر کافی کے کپ پر جھک گئے۔

اور پھر ناشتے کی میز پر انہوں نے میری کو بہت غور سے دیکھا تھا۔ وہ رات کی نسبت بہت بہتر لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سبز تھیں اور بال سنہرے تھے۔ وہ یقیناً کبھی بہت دلکش رہی ہوگی لیکن کثرت شراب نوشی سے اب اس کے پپوٹے لٹکے ہوئے تھے۔ اس نے طیب کو گلے سے لگا کر بہت پیار کیا تھا۔ "My son! how smart and tall"۔

(میرا بیٹا کتنا اسمارٹ اور لمبا)

وہ خاموش ہی رہے تھے۔ ان کے پاس جیسے کہنے کے لئے کچھ نہ تھا۔ اور ناشتے کی ٹیبل پر اس کے بالمقابل بیٹھے بیٹھے کتنی ہی بار انہوں نے تصور ہی تصور میں اسے جمال خان کے ساتھ کھڑا کر کے دیکھا تھا لیکن ہر بار نور الہدیٰ سید اپنی تصویر سے نکل کر جمال خان کے ساتھ آ کھڑی ہوتی۔ تب جھنجلا کر وہ جار سے جیم نکالنے لگے تھے۔ جمال خان میری سے باتیں کرتے ہوئے گاہے گاہے انہیں بھی دیکھ لیتے تھے۔ میری بھی کبھی کبھی سر اٹھا کر انہیں دیکھتی اور مسکرا دیتی۔ اس مسکراہٹ میں کچھ تھا۔ ممتا کی شفقت اور محبت یا جانے کیا کہ ان کا دل اندر ہی اندر پگھل کر پانی ہونے لگا تھا' وہ جیسی بھی تھی ان کی ماں تھی اور جب وہ جانے لگی تھی تو وہ بے اختیار کسی اندرونی جذبے سے مغلوب ہو کر اسے رکنے کو کہہ بیٹھے تھے اور میری نے مڑ کر انہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں یکدم لو دینے لگی تھیں اور اس نے اپنے بازو پھیلا دیئے تھے اور وہ بے اختیار ان کی بانہوں میں سمٹ آئے تھے۔

"کیوٹ!"

اس نے ان کی پیشانی کو چوما تھا اور خود سے الگ کرتے ہوئے جلدی آنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن پھر کتنے ہی دن گزر گئے تھے وہ انتظار ہی کرتے رہے اور میری لوٹ کر نہ آئی۔ کتنی بار ان کا جی چاہا وہ جمال خان سے اس کے متعلق پوچھیں کہ وہ کہاں ہے کس جگہ قیام ہے اس کا تاکہ وہ خود جا کر انہیں لے آئیں۔ یکایک ہی ان کا دل چاہنے لگا تھا کہ وہ میری کے پاس بیٹھیں' اس سے باتیں کریں' اسے اپنے متعلق بتائیں' اپنے خواب' اپنے پلان اور بہت ساری دوسری باتیں اور جمال خان نے ہمیشہ کی طرح جیسے ان کے دل کی خواہش پالی تھی اور ایک شام جب وہ اپنے آفس سے آئے تو انہوں نے اسے تیار ہونے کے لئے کہا۔

"کہاں پپا..... میرا اس وقت کہیں جانے کا موڈ نہیں ہے۔"

وہ ٹی وی لاؤنج میں آنکھیں موندے صوفے پر نیم دراز تھے اور سامنے ٹی وی پر کوئی ہارر مووی چل رہی تھی۔

"آپ کو میری سے ملوا لاؤں۔"

یکدم ان کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔ لیکن وہ ضبط کئے آنکھیں موندے یونہی آنکھوں پر بازو

دھیرے لیٹے رہے۔

"اگر انہیں ملنا ہوتا تو خود آجاتیں۔"

"کوئی مصروفیت ہوگی چلیں اٹھیں۔ ہری اپ دس منٹ میں تیار ہوجائیں۔ میں چینج کرکے آتا ہوں۔"

اور پھر بظاہر تو وہ بے دلی سے اٹھے تھے لیکن اندر ہی اندر ان کا دل جیسے سینے کی چار دیواری توڑ کر باہر آنے کو بے تاب ہو رہا تھا اور جب وہ گاڑی میں جمال خان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو یکبارگی ان کا جی چاہا تھا کہ وہ جمال خان سے کہیں کہ وہ چند دن میری کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ برسوں کی تشنگی چند گھنٹوں کی ملاقات میں کہاں بجھتی ہے لیکن ہر بار وہ جھجک جاتے۔ تب جمال خان نے ڈرائیو کرتے کرتے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"بیٹا! میری خواہش ہے کہ آپ کچھ دن اپنی مما کے پاس رہ لیں۔ اس کا بھی حق ہے آپ پر اور جی چاہتا ہوگا اس کا کہ اتنے سالوں بعد کچھ وقت اپنے بیٹے کے ساتھ گزار لے۔"

ہمیشہ کی طرح انہوں نے اس کے اندر جھانک لیا تھا۔

"انہوں نے آپ سے کہا پپا؟" وہ سنجیدہ سے تھے۔

"ہاں۔ نہیں تو...... لیکن کیا اس کا جی نہیں چاہ رہا ہوگا اب آپ سے ملنے کے بعد۔"

"تھینک یو پپا آپ......"

اور لفظ ان کے اندر ہی کہیں گم ہوگئے تھے اور انہوں نے بے اختیار نم ہوجانے والی آنکھوں کی نمی کو جمال خان سے چھپانے کے لئے چہرہ نیچے جھکا لیا تھا۔

"ڈیٹس او کے جانو!"

ایک ہاتھ اسٹیرنگ پر رکھے رکھے انہوں نے دوسرے ہاتھ سے ان کے کندھے پر تھپکی دی تھی۔

"لیکن پپا آپ؟"

بڑی دیر بعد خود پر قابو پاکر انہوں نے سر اٹھایا تھا۔

"آپ اتنے سارے دن اکیلے کیسے رہیں گے؟"

"رہ لوں گا بیٹا اور پھر میں ہر روز آپ سے ملنے آتا رہوں گا۔ فون کروں گا۔"

"اور میرے کپڑے اور دوسری اشیاء۔"

"سب ہیں۔ میں نے ڈگی میں تمہاری ضروریات کا سارا سامان رکھ دیا ہے۔ ایک ہفتے کے لیے تمہارے بلیک بیگ میں۔"

"او پپا یو آر گریٹ۔"

اور پھر باقی کا سارا راستہ انہوں نے یہ سوچتے ہوئے گزار دیا کہ وہ اس ایک ہفتے میں میری سے کیا کیا بات کریں گے اور بھلا کیسے لگے گا پپا کے بغیر مما کے ساتھ رہنا۔

میری اپنے اپارٹمنٹ میں اکیلی نہ تھی۔ اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ اونچا لمبا سا بن مانس سی شکل والا۔

"یہ جان ہے۔"

میری انہیں دیکھ کر ازحد حیران ہوئی تھی اور مڑ کر جان کی طرف دیکھتے ہوئے تعارف کروایا تھا جو ٹیبل پر گلاس اور بوتل رکھے غالباً "پی رہا تھا۔

"اس نے دور سے ہی ہاتھ ہلایا تھا۔

میری آج بھی اس دن کی طرح کارڈ لیس پکڑے ہوئے تھی اور غالباً" ان کے آنے سے پہلے جان کا ساتھ دے رہی تھی۔

"جمال کھان اور طیب۔" اس کی آواز میں ہلکی لڑکھڑاہٹ تھی۔

"میں طیب کو تم سے ملانے لایا تھا۔" جمال خان نے آہستگی سے کہا۔ "تم سے ملنے کے بعد یہ بہت ڈسٹرب ہوگیا ہے۔"

تب میری نے آگے بڑھ کر انہیں گلے لگانے کی کوشش کی تھی اور ان کے گال پر بوسہ دیا تھا۔ اس کے منہ سے الکوحل کی بو آرہی تھی۔ وہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹ گئے تو میری نے قہقہہ لگایا اور جان کی طرف دیکھا جو اپنی بوتل اور گلاس اٹھا کر کھڑا ہوگیا تھا۔

"میں اپنے بیڈ روم میں جا رہا ہوں۔ جب تم اپنے مہمانوں سے فارغ ہوجاؤ تو وہاں ہی آجانا۔"

اور جمال خان نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میری! تمہارا بیٹا تمہارے لئے بہت اداس ہوگیا تھا۔ تم نے دو دن بعد آنے کا وعدہ کیا تھا اور وہ انتظار کرتا رہا۔"

"سوری مائی سن!" میری نے پھر اس کے گال پر بوسہ دیا۔

"میں دو دن کے لئے بہت مصروف ہوگئی تھی۔ جمال کھان نے تمہیں بتایا ہوگا نا کہ میں تھیٹر میں کام کرتی ہوں اور ان آخری دنوں میں بہت کام تھا۔ تین تین چار چار شو کرنے پڑتے ہیں۔"

وہ خاموش ہی رہا تھا۔

"آئی پرامس۔ جانے سے پہلے ایک روز تمہارے پاس آکر ٹھہروں گی۔"

"لیکن میری! میرا خیال تھا کہ طیب ہفتہ بھر تمہارے پاس رہ لے۔ آج کل یوں بھی فارغ ہے۔ پہلی بار تم سے ملا ہے تو......"

"میرے پاس!" میری نے ازحد حیران ہو کر اپنی بڑی آنکھیں جمال خان کے چہرے پر گاڑ دی تھیں۔

"ڈونٹ گریٹ یور برین ہے جمال کھان! میں تو جان کے اپارٹمنٹ میں اس کے ساتھ رہتی ہوں اور جان اسے بالکل پسند نہیں کرے گا۔ وہ تو اسے اٹھا کر اپارٹمنٹ سے باہر پھینک دے گا۔ وہ کسی سانڈ کی طرح ہی طاقت ور ہے۔"

اور تب ضبط کی انتہائی حدوں سے گزرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"آیئے پپا!"

"بائے گڈ ینگ مین!" میری نے اسے پیار کیا تھا۔ "I will see you soon" (میں جلدی تم سے ملوں گی)

لیکن پھر میری ان سے کبھی ملنے نہ آئی۔

پھر بہت سارے دنوں کے بعد جمال خان نے اسے بتایا تھا کہ میری اپنے تھیٹر کے ساتھ فرانس چلی گئی ہے۔ وہ اس تھیٹر میں ڈانسر تھی اور یہ تھیٹر مختلف ملکوں میں گھوم پھر کر شو کرتا تھا۔

"آپ کو وہاں نہیں جانا چاہیے تھا پپا!"

انہیں پپا کا وہاں میری کے اپارٹمنٹ میں دوبارہ جانا اچھا نہیں لگا تھا۔

"میں میری کو لینے گیا تھا میری جان! تاکہ وہ یہاں ہمارے اپارٹمنٹ میں کچھ دن آپ کے ساتھ رہ لے۔ کمال ہے مجھے تب کیوں خیال نہیں آیا تھا کہ آپ جان کے اپارٹمنٹ میں نہیں رہ سکتے تو میری تو آپ کے ساتھ یہاں رہ سکتی ہے۔ اس اپارٹمنٹ میں۔ میں کچھ دن کے لئے مسعود کی طرف چلا جاتا۔"

"چھوڑیئے پپا! ہم دونوں باپ بیٹا ٹھیک ہیں یہاں اور کسی میری کو کوئی اجازت نہیں ہمارے درمیان مداخلت کی۔" بظاہر انہوں نے ہنستے ہوئے کہا تھا لیکن اندر ہی اندر جانے کتنے آنسو سارے وجود کو بھگو گئے تھے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی انہوں نے میری کا انتظار کیا تھا۔ ہر بیل پر چونک کر ریسیور اٹھایا تھا۔ یہ کیسی تشنگی پیاس اور اداسی اتر آئی تھی ان کے اندر۔ میری ان سے ملے بنا ہی فرانس چلی گئی تھی۔ وہ اندر سے بکھرنے لگے تھے تب جمال خان نے انہیں سمیٹ لیا۔ کسی ننھے بچے کی طرح ان کا خیال رکھنے لگے تھے۔ وہ گھر پر ہوتے تو بار بار فون کرتے۔ ہر ویک اینڈ پر گھومنے کا پروگرام بنا لیتے۔ لمبی چھٹیوں میں کسی سائیڈ پر چلے جاتے۔

یوں وہ ہولے ہولے سنبھل گئے لیکن دل میں ایک کسک سی رہ گئی تھی۔ پھر دوبارہ ان کی میری سے ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن شاید وہ جو ایک تاثر سا تھا میری سے متعلق ان کے دل میں وہ اتنا گہرا اور مضبوط تھا کہ جین کی بے تحاشا محبتوں کے باوجود وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے جھجکتے تھے۔ انہیں لگتا تھا جیسے جین بھی میری کی طرح کسی دن انہیں چھوڑ کر چلی جائے گی جیسے میری نے جمال خان کو چھوڑ دیا تھا اور یہی خوف انہیں جین کی طرف بڑھنے سے روکتا تھا۔

"تو نور الہدیٰ سید۔"

انہوں نے بڑے ابا کی طرف دیکھا جو ماضی میں

کہیں کھو سے گئے تھے۔

"اور کیسے سنبھال کر رکھا تھا ہم نے اسے۔ کتنی نازک تھی وہ۔ ذرا سا تمہاری بڑی امی اسے ڈانٹ دیتی تو گھنٹوں رو رو کر آنکھیں سجا لیتی۔ وہ کون سی خواہش تھی جسے ہم نے پورا نہیں کیا۔ بات ابھی اس کے منہ سے نکلتی ہی تھی کہ ہم اسے پورا کر دیتے۔"

ان کے دل میں یکایک ہی یہ خواہش پیدا ہوئی تھی کہ وہ نور الہدیٰ سید کو دیکھیں ملیں۔ وہ نور الہدیٰ سید جسے جمال خان نے کسی خوبصورت راز کی طرح اپنے اندر چھپا رکھا تھا اور جس سے شاید انہوں نے محبت کی تھی یا محبت اور عشق سے بھی آگے کا کوئی جذبہ.... اور وہیں بیٹھے بیٹھے ان پر انکشاف ہوا تھا کہ جمال خان کے نہ آنے کی وجہ بھی نور الہدیٰ سید ہے۔ وہ شاید ان کا سامنا نہ کر سکتے ہوں۔ شاید ان کا دل رک جائے اسے سامنے دیکھ کر جس کی تصویر کو اپنے لاکر میں چھپائے وہ برسوں سے اسے چاہ رہے تھے اور کیا خبر نور الہدیٰ سید کو پتا بھی نہ ہو کہ جمال خان انہیں چاہتے ہیں اور شاید جذبوں کے عیاں ہونے کے خوف نے انہیں وہاں روک رکھا ہے اتنی دور اپنوں سے جدا۔

اور ان کا شدت سے جی چاہا کہ وہ ابھی نور الہدیٰ سید کے پاس جائیں اور دیکھیں کہ کیا وہ اتنی ہی باوقار ہیں جتنی کہ تصویر میں دکھتی ہیں اور پھر ان سے پوچھیں کہ انہوں نے اتنے چاہنے والے' اتنے اچھے شخص کو کیوں ٹھکرا دیا۔ کیوں قبول نہ کیا اور اگر نور الہدیٰ سید جمال خان کو نہ ٹھکراتی تو وہ اس کے بیٹے ہوتے۔ میری کے نہیں۔ اور تب اس گھر سے ان کا رشتہ بہت گہرا اور بہت مضبوط ہوتا۔ ان کے دل میں ٹیس سی اٹھی اور انہوں نے سر اٹھا کر بڑے ابا کی طرف دیکھا جن کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر ان کی ڈاڑھی کے بالوں کو بھگو رہے تھے۔

"بڑے ابا!" تڑپ کر انہوں نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ کیوں رو رہے ہیں؟"

"بس یونہی نوری یاد آ گئی تھی۔ میری بدنصیب بچی۔ جسے کبھی پھول کی چھڑی تک سے نہ چھوا گیا ہو اس کے جسم پر جب بے دردی سے چمڑے کا ہنٹر لگتا ہو گا تو .... میری بچی۔"

بڑے ابا کی آواز بھرا گئی اور آنسو پہلے سے زیادہ روانی سے بہنے لگے۔

"بڑے ابا!" طیب خان نے اور مضبوطی سے ان کے ہاتھ تھام لئے اور ان کے دکھ کو اپنے دل میں محسوس کرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"بڑے ابا کون.... کون مارتا ہے انہیں۔" ان کے لہجے میں اضطراب تھا۔

"اس کا شوہر مارتا تھا اسے ظالم' بے حس' سنگ دل اور جب اس کی ماں نے اسے نہلایا تھا تو اس کے جسم پر نیل ہی نیل تھے۔ پورا بدن نیلوں نیل تھا۔ لیکن اس نے بھی کچھ نہیں کہا۔ کبھی گلہ نہیں کیا۔ بس چپ چاپ مر گئی۔ خموشی سے آنکھیں بند کر لیں۔ بغیر ایک لفظ کہے۔"

"نہیں!" بالکل غیر ارادی طور پر طیب خان کے لبوں سے نکلا اور بڑے ابا کے ہاتھ ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئے۔ اب بھلا وہ پپا سے کیا جا کر کہیں۔ ابھی چند لمحوں میں انہوں نے کتنی باتیں سوچ ڈالی تھیں کہ وہ پپا کو سرپرائز دیں گے۔ انہیں بتائیں گے کہ وہ نور الہدیٰ سید سے مل کر آئے ہیں اور پپا نے کہا تھا میری آنکھیں اپنے ساتھ لے جانا طیب.... اور پپا جانتے تھے کہ یہاں نور الہدیٰ بھی ہوں گی اور طیب ضرور ان سے بھی ملے گا اور اب.... اب بھلا وہ کیسے بتا پائیں گے پپا کو کہ وہ جس کی تصویر انہوں نے سنبھال رکھی ہے۔ وہ اب اس دنیا میں ہیں ہی نہیں۔ وہ جسے خود انہوں نے برسوں اپنی ماں ہی سمجھا تھا۔

وہ اضطراری کیفیت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

"سوری بیٹا!" بڑے ابا نے اپنے آنسو پونچھے۔

"میں نے تمہیں پریشان کیا۔"

"کوئی بات نہیں بڑے ابا۔"

UrduPhoto.com
Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com

وہ اپنی اضطراری کیفیت پر قابو پاتے ہوئے دوبارہ ان کے پاس آبیٹھے۔

"لیکن بڑے ابا آپ نے...... آپ نے ایسے ظالم شخص کو کیوں رشتہ دیا ان کا؟"

"بس بیٹا! مقدر...... تقدیر سے کون لڑ سکتا ہے۔"

"اور یہ دریہ......" انہیں اچانک دریہ کا خیال آیا۔

"ہاں یہ دریہ نور کی ہی بیٹی ہے۔ اکلوتی بیٹی۔ اپنے باپ کے پاس رہتی ہے اور کبھی کبھی باپ سے چوری ملنے آجاتی ہے۔ پڑھتی ہے یہاں یونیورسٹی میں۔ ہم نے تو بہت چاہا تھا کہ اسے اپنے پاس رکھیں لیکن محفوظ علی شاہ نے اجازت ہی نہیں دی۔"

"اور دریہ؟" انہوں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"خوش ہے وہاں...... وہ؟"

"نہیں بیٹا! یہی تو دکھ ہے کہ خوش نہیں ہے۔ سوتیلی ماں کا سلوک اچھا نہیں ہے اس کے ساتھ اور باپ بھی پروا نہیں کرتا بس ایک کرم کیا ہے اس نے کہ کبھی پڑھنے سے نہیں روکا حالانکہ اس کی سوتیلی ماں ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ وہ یہاں لاہور میں رہ کر پڑھے لیکن محفوظ علی نے اس معاملے میں بیوی کی بات نہیں سنی اور اسے یہاں ہاسٹل میں داخل کروادیا ہے۔"

"مگر وہ...... وہ رو کیوں رہی تھی بڑے ابا؟"

"بیٹا!" بڑے ابا نے ایک گہری سانس لی۔ "وہ جب بھی گاؤں سے آتی ہے یونہی بات بے بات آنسو بہتے ہیں اس کے۔ اپنی ماں کی طرح بتاتی کچھ نہیں۔ سب اپنے دل پر ہی جھیل جاتی ہے۔ جانتا ہوں وہاں کیسے کیسے اس کے دل پر زخم لگتے ہوں گے۔"

"اوہ!" ان کے دل پر ایک بوجھ سا آگرا۔

"بیٹے میں نے تمہیں بھی اداس کردیا۔" بڑے ابا نے اداسی سے کہا۔ "خیر یہ دکھ تو زندگی کے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ تم بتاؤ صبح سے کہاں تھے۔ ناشتے کے بعد ایسے غائب ہوئے کہ نظر ہی نہیں آئے۔"

"وہ چاچو آج اپنے ساتھ آفس لے گئے تھے۔ بہت خوبصورت آفس ہے ان کا۔"

"اور اتنا وسیع بزنس...... لیکن نہ بیٹا ہے نہ کوئی بھتیجا جو بازو بنتا۔"

بڑے ابا کو اس بات کا بہت دکھ تھا کہ ان کے دونوں بیٹوں کے ہاں اولاد نرینہ نہ تھی اور اس دکھ کا اظہار وہ دن میں کئی بار کرتے۔

"خدا کا شکر ادا کیا کریں شاہ جی! جس نے اولاد جیسی نعمت سے نوازا ہے۔ ہمارے بچے کو۔ یہ بھی نہ دیتا تو کیا گلہ تھا اس سے۔"

بڑی امی وہاں ہوتیں تو ضرور ٹوکتیں۔

"تم نہیں جانتیں بھاگوان اس گھر کو ایک لڑکے کی کتنی ضرورت ہے۔ اور میں جو کچھ سوچتا ہوں وہ تم نہیں جان سکتیں۔"

وہ حسرت سے طیب خان کو دیکھتے۔

"کاش! اے کاش جمال خان ہمارا اپنا خون ہوتا...... ہمارے اپنے جگر کا ٹکڑا" حالانکہ ہم نے اسے کبھی منیر اور حفیظ سے کم نہیں چاہا لیکن۔"

"[illegible] اور ابھی کے حوالے [illegible] میں [illegible] بڑے ابا [illegible] ہاں! لیکن کون جانے کیسے ہوں گے۔ بیٹیوں کے مقدر سے ڈر لگتا ہے طیب خان۔ اب میری نور میں کیا کمی تھی۔ حسن صورت اور حسن سیرت میں یکتا' لیکن محفوظ علی نے ہمیشہ اسے جوتے کی نوک پر رکھا۔ شادی کے بعد صرف چھ سال زندہ رہی لیکن یہ چھ سال انگاروں پر چلتے گزارے اس نے۔ اس کا پورا وجود زخم زخم تھا۔ جب وہ ہاسپٹل میں آخری سانسیں لے رہی تھی تو اس نے کہا تھا۔

"بابا! میں نے یہ چھ سال اس طرح گزارے ہیں جیسے کوئی ننگے پاؤں دہکتے انگاروں پر چل رہا ہو لیکن میں نے کبھی آپ سے شکوہ نہیں کیا۔ کبھی آپ سے یا بڑی امی سے نہیں پوچھا کہ انہوں نے محفوظ شاہ میں کیا دیکھا تھا۔ میں تو آپ کی تابعدار تھی۔ میں نے تو کبھی آپ کی کسی بات سے انحراف نہیں کیا تھا۔ ہر فیصلے پر سر جھکا دیا۔ پھر آپ نے اتنی عجلت کیوں کی؟ کیوں محفوظ علی کے متعلق چھان بین نہ کی۔ میں نے

کچھ نہیں کہا بڑے ابا لیکن اب...... اب میری دریہ کو وہاں مت رہنے دیجئے گا۔"

"میں نے اس سے وعدہ کرلیا تھا بیٹا! لیکن ہار گیا۔ عدالت میں بھی ہار جاتا۔ باپ کا حق صائب تھا۔ میں روز محشر کیا جواب دوں گا نور کو۔"

ان کے آنسو ایک بار پھر ان کی آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر سے ہوتے ہوئے ان کی داڑھی کے بالوں میں جذب ہونے لگے تھے۔ طیب خان نے انہیں اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے لیا اور ہولے ہولے دھیمے دھیمے لہجے میں سمجھانے لگے۔

"بہت سی باتیں انسان کے اختیار میں نہیں ہوتیں بڑے ابا! خدا دریہ کا نصیب اچھا کرے گا ان شاء اللہ۔"

"جمال خان نے تمہیں بھیج کر بہت اچھا کیا ہے بیٹا دل کو بڑی ڈھارس سی ملتی ہے تمہاری باتوں سے۔ وہ خود بھی آجاتا تو دیکھ لیتا ایک بار زندگی میں اسے بھی لیکن اس نے تو [illegible] کرلیا۔"

"بڑے ابا! [illegible] ان سے لیکن وہ خیر آپ پریشان نہ ہوں میں جاتے ہی ان کو بھیج دوں گا۔" انہوں نے بڑے ابا کو تسلی دی۔

"تم کب جارہے ہو بیٹا؟"

"بس ایک ہفتے تک چلا جاؤں گا ان شاء اللہ۔ اٹھارہ کی سیٹ ہے لیکن ابھی کنفرم نہیں کروائی۔"

"اتنی جلدی بیٹا!"

"جی بڑے ابا! ان شاء اللہ پھر آؤں گا۔ اب آتا رہا کروں گا۔ اگلے سال' بلکہ ہر سال آؤں گا۔"

"اگلے سال ہم نہ ہوئے تو۔"

"ارے نہیں بڑے ابا! آپ ابھی بہت سال جئیں گے۔"

"دیمک لگ چکی ہے اندر تو کچھ بھی نہیں بچا۔ پتا نہیں کون سی طاقت ہے جو ابھی تک زندہ رکھے ہوئے ہے۔ شاید دریہ۔ شاید وہ وعدہ جو مرتے سمے نور سے کیا تھا۔ دریہ اپنے گھر کی ہوجائے تو شاید ہم بھی چل بسیں۔ پہلے جمال کی جدائی اور پھر نور کی موت نے مجھے اندر سے مار دیا ہے۔"

"نور کی موت تو قدرت کی طرف سے تھی اس پر اختیار نہ تھا لیکن جمال خان کی جدائی تو خود ساختہ ہے اور اس کو ختم کرنا تو اختیار میں تھا پھر...... یقیناً" اس کی وجہ نور الہدیٰ سید ہی ہوگی اور پتا نہیں کیوں انہیں لگا جیسے بڑے ابا بھی جمال خان کے اس راز کے شریک ہیں جو اچانک ہی خود بخود ان پر آشکار ہوا تھا۔"

"تم کچھ دن اور نہیں رک سکتے بیٹا؟"

"جی...... رک سکتا ہوں۔" وہ انکار نہ کرسکے۔

"تمہاری جاب پر تو اثر نہیں پڑے گا۔"

"نہیں بڑے ابا! میں اپنے پاپا کی ہی کمپنی میں کام کرتا ہوں اور جس پراجیکٹ پر میں کام کررہا تھا اسے مکمل کراکے ہی آیا تھا اور ابھی کوئی نیا پروجیکٹ اسٹارٹ نہیں ہوا تھا۔ پپا نے کہا تھا واپس آکر کوئی نیا پروجیکٹ شروع کرنا۔"

"جمال کا شکریہ ادا کرنا بیٹا! تمہیں یہاں بھیج کر اس نے بہت اچھا کیا۔ یوں لگتا ہے جیسے تمہارے آجانے سے دل کو بہت ڈھارس ہوئی ہو۔ حالانکہ......"

انہوں نے اپنی بات ادھوری چھوڑی۔ طیب سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے کہ اسمارہ نے اندر جھانکا۔

"بھائی! آپ کو سب بڑے کمرے میں بلارہے ہیں۔ بلکہ سب کو آپ کا انتظار ہے اور بڑے ابا آپ بھی چلیں۔"

"کیوں خیریت بیٹا؟" بڑے ابا ذرا ذرا سی بات پر گھبرا جاتے تھے۔

"ہاں خیریت ہے۔" اس کی آنکھیں جگمگا رہی تھیں۔

"ایک سرپرائز ہے آپ کے لئے۔ پلیز جلدی آیئے گا۔ میں ذرا بڑی امی کو لے آؤں۔"

وہ وہیں دروازے سے ہی پلٹ گئی تو ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ انہیں اسمارہ کی شوخی' شرارتیں' گفتگو سب بہت بھاتا تھا اور انہوں نے دل ہی دل میں عہد کیا تھا کہ اس شوخ لڑکی نے انہیں بھائی کہا ہے تو وہ

تاعمر اس رشتے کو نبھائیں گے۔ اپنی جسم و جان کی تمام تر توانائیاں وہ اس پاکیزہ رشتے کو قائم رکھنے میں صرف کردیں گے۔ کتنا خوبصورت اور پیارا رشتہ تھا۔ وہ اس رشتے کی حدت سے نا آشنا تھے بلکہ وہ تو کسی بھی رشتے کی لذت سے واقف نہ تھے۔ انہوں نے صرف پپا کو دیکھا تھا اور اپنی ساری محرومیاں اسی ایک رشتے میں ضم کردی تھیں۔ ان کے سارے رشتے پپا سے تھے کہ یکایک اب یہ سب اتنے سارے محبت کرنے والے لوگوں نے انہیں اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

جب کنزی اور سدرہ اپنی فرینڈز سے ان کا تعارف کرواتیں۔

"یہ طیب بھائی ہیں ہمارے کزن! ہمارے چاچو جمال خان کے بیٹے۔ امریکہ سے آئے ہیں۔" تو ان کے اندر ٹھنڈک اور خنکی کی پھوار سی گرنے لگی۔

جب تاؤ شفقت سے محبت سے کوئی گزری ہوئی بات جمال خان کے حوالے سے سناتے، جب بڑی امی ان کا سر گود میں رکھ کر ان کے بالوں میں انگلیاں پھیرتیں، جب چاچو دوستانہ انداز میں ان سے باتیں کرتے تو انہیں لگتا جیسے وہ اس بھری دنیا میں تنہا نہیں ہیں۔ یکایک ہی وہ رشتوں کے حوالے سے بہت مالدار ہوگئے تھے۔ بہت امیر۔ تین ہفتے پلک جھپکتے میں گزر گئے تھے اور اب بڑے ابا انہیں رکنے کو کہہ رہے تھے اور پپا نے کہا تھا بڑے ابا کے ان پر بہت احسان ہیں اور یہ کہ تم بڑے ابا کی کوئی بات نہ ٹالنا۔ اور بڑے ابا کو سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے انہوں نے حتمی لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے بڑے ابا! میں پپا سے کہہ دوں گا کہ میں مزید ایک ماہ رکوں گا اور سیٹ بھی کینسل کروا دیتا ہوں۔"

اور بڑے ابا کے چہرے پر روشنی سی بکھر گئی۔ اور جب وہ بڑے ابا کا ہاتھ تھامے انہیں سہارا دیتے ہوئے ہال میں آئے تو ایک دم ہی سب نے تالیوں سے ان کا استقبال کیا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

سب ہی تھے۔ بڑی امی، تائی حلیمہ، چچی، چاچو، تاؤ، کنزی، سدرہ اور اسمارہ۔

ارے آج تو تو اکتوبر تھی۔ انہیں بالکل یاد نہیں رہا تھا۔ وہاں تو صبح صبح برتھ ڈے کا خوبصورت کارڈ اور پھول سرہانے پڑے انہیں یاد دلاتے تھے کہ آج ان کا برتھ ڈے ہے اور پھر ناشتے کی ٹیبل پر پپا انہیں ہیپی برتھ ڈے کہتے اور اس روز وہ پپا کے ساتھ باہر جاکر کھانا کھاتے۔ کسی ریسٹورنٹ یا ہوٹل میں کیک کاٹتے۔ پپا کے آرڈر پر ان کی سیٹ پہلے ہی ریزرو ہوتی تھی۔ پھر ویٹرس ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے ٹرالی میں کیک رکھ کر لاتی اور ۔۔۔ لیکن یہ برتھ ڈے تو سب سے مختلف تھا۔

گزشتہ سارے برتھ ڈیز سے۔

"کیسا رہا یہ سرپرائز؟" اسمارہ کے گالوں پر گلاب کھل رہے تھے۔

"یہ سب تمہاری شرارت ہوگی؟"

"بالکل۔۔۔ لیکن یہ سب بھی میرے ساتھ شریک تھے۔"

"لیکن یقین کرو بیٹا! مجھے تو آج ہی پتا چلا۔" تاؤ نے پیچھے ہٹ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا اور وہ حیران اور سحر زدہ سے بڑے ابا کے ساتھ ٹیبل کے قریب آگئے اور پھر سب کی تالیوں میں انہوں نے کیک کاٹا اور کیک کاٹتے ہوئے اچانک ہی ان کی نظر سامنے اٹھ گئی تھی۔

وہ بلاشبہ دریہ ہی تھی۔ بڑی امی کے ساتھ لگی کھڑی وہ تقریباً ان کے پیچھے چھپی ہوئی ہی تھی۔

"بیٹا! یہ دریہ ہے، اس سے ملے۔" بڑی امی نے اس کا تعارف کرایا۔

"اور یہ تمہارے جمال ماموں کے بیٹے ہیں۔"

"کچھ دیر پہلے بڑے ابا کے کمرے میں دیکھا تھا لیکن مجھے دیکھتے ہی یہ وہاں سے بھاگ گئیں۔"

"نہیں میں بھاگی نہیں تھی بلکہ مجھے ہاسٹل جانا تھا۔" دریہ نے تردید کی۔ "لیکن پھر امی نے روک لیا زبردستی۔ سوری میں آپ کے لئے کوئی گفٹ۔۔۔"

"آپ کا رک جانا ہی بہت بڑا گفٹ ہے میرے لئے۔"

دریہ کے رخسار یکدم گلگوں ہوئے اور پلکیں جھک گئیں۔ طیب نے یہ منظر بہت دلچسپی سے دیکھا اور پھر حفیظ چاچو کے بلانے پر ان کی طرف مڑ گئے۔

♥ ♡ ♡ ♥

"دریہ پلیز! آپ میری بات کو کیوں نہیں سمجھ رہیں۔"

طیب خان نے جھنجلا کر دریہ کی طرف دیکھا جو پچھلے پندرہ منٹ سے مسلسل روئے چلی جارہی تھی۔

"آخر آپ کو کس بات کا یقین نہیں ہے دریہ! میری محبت کا۔ میرے خلوص کا یا اس بات کا جو ابھی ابھی میں نے کہی ہے۔"

دریہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"مجھے ۔۔۔ مجھے آپ کی سب باتوں کا یقین ہے طیب خان! لیکن میں سمجھتی ہوں یہ محض وقتی جذبہ ہے، محض ہمدردی، ترس! آپ مجھے بچانا چاہتے ہیں نا جابر علی شاہ سے۔"

"ہاں! میں آپ کو بچانا چاہتا ہوں جابر علی سے لیکن یہ صرف ہمدردی نہیں ہے دریہ! یہ کچھ اور بھی ہے۔ کوئی اور جذبہ اندر ہی اندر دل کو کاٹتا اور جوڑتا ہوا جذبہ۔ دریہ میری بات کا یقین کرو۔ آئی لو یو۔ اور میں نہیں جانتا کہ یہ جذبہ کیسے اور کب میرے دل میں اترا لیکن یہ سچ ہے۔ اگر یہ جابر علی کی بات نہ بھی ہوتی تو بھی میں بہت جلد پپا سے آپ کے لئے بات کرنے والا تھا۔ اور پلیز دریہ اب روئیں مت۔ آپ کے آنسو میری فصیل دل ڈھائے جاتے ہیں۔ لیکن آپ نہیں جانتیں۔ آپ بے فکر ہوجائیں۔ میں آج ہی پپا سے بات کرتا ہوں۔"

دریہ نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو صاف کئے۔

"تھینک یو دریہ! آپ نہیں جانتیں، ان چند دنوں میں آپ میرے دل کے اندر کہاں تک اتر گئی ہیں۔" طیب خان نے مسکرا کر دریہ کی طرف دیکھا۔

"اور اگر اجازت ہو تو اب چلیں۔ بڑے ابا پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"ہاں!" دریہ نے اثبات میں سر ہلایا تو انہوں نے ڈیش بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔

"ٹشو لے کر چہرہ صاف کرلیں ورنہ بڑے ابا سمجھیں گے شاید میں راستے میں ان کی لاڈلی نواسی کو مارتا پیٹتا لایا ہوں۔" دریہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوگئی۔

طیب خان بڑے ابا کے کہنے پر دریہ کو ہاسٹل سے لینے آئے تھے۔ صبح سے ان کی طبیعت کچھ بوجھل سی تھی۔ بی پی اچانک ہی زیادہ ہوگیا تھا۔ اگرچہ اس وقت نارمل تھا لیکن ان کا جی یکایک ہی دریہ سے ملنے کو چاہنے لگا۔

"طیب! ذرا دریہ کو تو لے آؤ۔ اس ویک اینڈ پر وہ گاؤں گئی تھی اور پھر جانے کیوں نہیں آئی، حالانکہ پہلے تو وہ گاؤں سے آکر ضرور ملنے آتی تھی۔"

"کیا پتا وہ گاؤں سے آئی ہی نہ ہو۔" بڑی امی نے خدشہ ظاہر کیا۔

"محفوظ شاہ بہت غصے میں گیا تھا یہاں سے۔ کیا خبر منع کردیا ہو، روک دیا ہو۔"

"پھر بھی پتا کرلینے میں کیا حرج ہے؟"

"ٹھیک ہے بڑے ابا! میں لے آتا ہوں جا کر دریہ کو۔"

خود ان کا بھی دل بے اختیار اسے دیکھنے کو چاہنے لگا تھا حالانکہ دریہ سے ان کی بہت زیادہ ملاقاتیں نہیں تھیں۔ لیکن ان پندرہ دنوں میں تین چار یا شاید اس سے زیادہ بار، جتنی بار بھی وہ دریہ سے ملے تھے، دریہ نے انہیں متاثر کیا تھا۔

حسن، حیا اور پاکیزگی کو ملا کر جو تاثر بنتا ہے وہ انہیں دریہ کے وجود میں دکھائی دیتا تھا۔

اپنی برتھ ڈے پر ان کی دریہ سے بہت زیادہ بات نہیں ہوئی تھی لیکن پھر بھی دریہ کو انہوں نے کتنی ہی بار دیکھا تھا بہت دھیان سے۔ شاید اس لئے کہ وہ نور الہدیٰ کی بیٹی تھی یا پھر اس لئے کہ اس کی سادگی میں بھی ایک وقار تھا۔ اس کے حسن میں عجیب طرح کی

UrduPhoto.com

اٹریکشن تھی اور شریر اسمارہ نے ان کی یہ چوری پکڑ لی تھی اور اس رات جب وہ اور اسمارہ دریہ کو ہاسٹل چھوڑ کر واپس آ رہے تھے تو اسمارہ نے شرارت سے انھیں دیکھا تھا۔

"بھائی! آپ کو دریہ کیسی لگی؟"

"کیا مطلب!"

انھوں نے اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھے رکھے اسمارہ کی طرف دیکھا تھا۔

"وہ ہماری پھپھو کی بیٹی ہے اور اس ناتے مجھے اچھی ہی لگتی ہے بلکہ آپ سب لوگ ہی مجھے بہت اچھے لگے ہو۔"

"اسمی! میں ان سارے رشتوں اور محبتوں سے ناآشنا رہا ہوں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہاں اس ملک میں میرے اتنے بہت سارے اپنے ہیں تو پھر میں یہاں آنے میں دیر نہ لگاتا۔"

"اب تو پتا چل گیا نا۔ اب آتے رہیے گا۔"

"ہاں! اب آتا رہوں گا۔"

"پتا ہے بھائی!" اسمارہ دل میں بات نہیں رکھتی تھی۔

"جب آپ دریہ کے پاس کھڑے بڑی امی سے باتیں کر رہے تھے نا تو آپ اس کے ساتھ کھڑے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ اور پتا ہے میں نے سوچا تھا کیا ہی اچھا ہو کہ آپ اور دریہ...... دریہ اور آپ......"

وہ مسکرا دیے۔

"لیکن یہ بھلا کیسے ممکن ہے۔" اسمارہ اداس ہو گئی۔

"آپ تو امریکہ میں رہتے ہیں اور......"

"کیا امریکہ میں رہنے والے پاکستانی لڑکیوں سے شادی نہیں کر سکتے؟" انھوں نے سوال کیا۔

"کیوں نہیں!" اسمارہ کھل اٹھی۔ "کیا آپ کو دریہ اس طرح اچھی لگی بھائی۔"

"پاگل ہو تم اسمی۔"

وہ ہنس دیے تھے لیکن اس رات اپنے بیڈ پر لیٹتے ہوئے بہت دیر تک وہ یونہی غیر ارادی طور پر دریہ کے متعلق سوچتے رہے۔ اس کی آنکھوں کے حزن نے انھیں اپیل کیا تھا۔ اس کے لہجے کی خوبصورتی اسیر کرنے والی تھی اور اگر وہ دریہ سے شادی کر لیں تو پپا تو بہت خوش ہوں گے۔ اس لیے کہ دریہ نور الہدیٰ سید کی بیٹی ہے اور پتا نہیں پپا کی شادی نور الہدیٰ سے کیوں نہیں ہو سکی تھی حالانکہ یہاں سب ہی انھیں چاہتے ہیں۔ ان سے محبت کرتے ہیں۔

اور اب جب وہ واپس جائیں گے تو ضرور پپا سے اس کے متعلق پوچھیں گے۔ بلکہ انھیں تو بہت پہلے ہی پوچھ لینا چاہیے تھا۔ پپا ان کے اتنے اچھے دوست تھے۔ ان کی ہر بات شیئر کرتے تھے اور انھوں نے آج تک پپا سے ان کا دکھ شیئر نہیں کیا تھا۔ حالانکہ وہ اس دکھ سے تو بہت پہلے آشنا ہو گئے تھے اور پھر دریہ کے متعلق سوچتے سوچتے وہ جین کے متعلق سوچنے لگے تھے۔ جین جو ان سے محبت کرتی تھی۔ لیکن جس سے وہ آج تک ایسی کوئی بات نہیں کہہ سکے تھے۔ پتا نہیں کیوں وہ جب بھی جین سے شادی کے متعلق سوچتے میں ان کے تصور میں پپا آ جاتے اور وہ متذبذب سے دوراہے پر کھڑے رہ جاتے اور کوئی فیصلہ نہ کر پاتے تھے۔ جین میں کمی تو کوئی نہ تھی پھر بھی وہ اسے شریکِ زندگی کرتے ہوئے خوفزدہ ہو جاتے تھے۔

دو دن بعد دریہ پھر آ گئی تھی اسمارہ کے ساتھ۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ اپنے کمرے سے نکلے تو وہ دونوں لاؤنج میں کھڑی تھیں۔

"اچھی ہوں۔"

دریہ نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھا کر انھیں دیکھا تھا اور پھر اسمارہ سے باتیں کرنے لگی تھی اور اس ایک اٹھتی نظر میں انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ آج بھی وہ روئی تھی۔ اس کی آنکھیں روئی روئی سی تھیں۔

"آج پھپھو کی برسی تھی اور مجھے پتا تھا یہ اکیلی وہاں روتی رہے گی سو میں اسے زبردستی لے آئی۔" اسمارہ نے بتایا اور تب اس روز پہلی بار انھیں پتا چلا تھا کہ وہ اور اسمارہ ایک ہی ڈپارٹمنٹ میں ہیں۔ تب ہی دونوں کی بہت دوستی تھی۔

"بڑے ابا کیا کر رہے ہیں؟" اسمارہ نے پوچھا۔

"پتا نہیں میں ابھی ان ہی کی طرف جا رہا تھا۔"

"بڑے ابا آپ سے بہت محبت کرنے لگے ہیں۔ آپ چلے گئے تو وہ بہت اداس ہو جائیں گے۔ بہت مس کریں گے آپ کو۔" اسمارہ نے ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"ہاں شاید۔"

"شاید نہیں یقیناً"۔ "دراصل بڑے ابا نے آپ کی شکل میں ایک دیرینہ آرزو کو پورے ہوتے دیکھا ہے۔ انھیں پوتے کی بہت خواہش تھی۔ یہ نہیں کہ انھوں نے ہم سے محبت نہیں کی۔ بڑے ابا بہت چاہتے ہیں ہمیں لیکن پوتے کی خواہش تو فطری ہے نا۔ اب قسمت کی بات ہے کہ سوائے جمال چچا کے کسی کے ہاں بیٹا ہوا ہی نہیں۔ نفیس چاچو کی بھی دو بیٹیاں ہی ہیں۔" اسمارہ نے تفصیل سے وضاحت کی۔

"نفیس ماموں کی طبیعت اب کیسی ہے؟" دریہ نے پوچھا۔

"اب تو بہت بہتر ہے رات چھوٹی امی سے بات ہوئی تھی۔ انھوں نے بتایا کہ کل تک ہاسپٹل سے آ جائیں گے۔" اسمارہ نے دریہ کو بتایا۔

اور چھوٹی امی کی محبتوں پر بھی طیب خان از حد حیران ہوئے تھے۔ اس روز جب ان کا فون آیا تھا اور بڑی امی نے انھیں طیب کے متعلق بتایا تو انھوں نے کتنی ہی دیر تک طیب سے بات کی اور بار بار اصرار کیا کہ واپسی پر وہ ان کے پاس جدہ میں ضرور رکے۔ چھوٹے ابا کے انتقال کے بعد وہ اپنے اکلوتے بیٹے نفیس کے پاس سعودیہ چلی گئی تھیں کہ یہ نفیس کی خواہش تھی۔ ورنہ برسوں سے بڑے ابا اور چھوٹے ابا ایک ہی گھر میں رہ رہے تھے۔ جمال خان کو کتنا یاد کیا تھا اور بار بار ان کے متعلق پوچھا تھا۔ نفیس ان کے بیٹے تھے جو چند دن سے ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھے۔ اچانک ہی انھیں دل کی تکلیف ہو گئی تھی۔

بڑے ابا قرآن پڑھ رہے تھے۔ انھیں دیکھ کر انھوں نے قرآن کو جزدان میں لپیٹ کر ریک پر رکھا اور پھر دریہ کو گلے لگاتے ہوئے ان کی آنکھیں بے تحاشا آنسو بہانے لگیں۔ یہ دن ہمیشہ ہی ان کے لیے تکلیف دہ ہوتا تھا۔ خود دریہ کی آنکھیں بھی برس رہی تھیں۔ ضبط کی کوشش کے باوجود آنسوؤں نے پلکوں کی باڑ توڑ دی تھی۔

"اسمی بیٹے! ذرا اپنی بڑی امی سے پوچھنا مسجد اور یتیم خانے میں کھانا چلا گیا۔"

"جی بڑے ابا!" اسمارہ وہاں سے ہی پلٹ گئی اور دریہ کے آنسو اپنے ہاتھوں سے پونچھتے ہوئے بڑے ابا اپنے بیڈ پر بیٹھ گئے۔

"بڑے ابا! میری امی کیسی تھیں؟" کئی بار کا پوچھا ہوا سوال دریہ نے پھر کیا تو بڑے ابا کے ہونٹوں پر اداس سی مسکراہٹ آ گئی۔

"کیا بتاؤں بیٹا! کیسی تھی وہ؟"

"اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ لیں۔ آپ کی امی کا عکس لگے گا آپ کو۔"

طیب خان نے آہستگی سے کہا تو دریہ نے حیرت اور بے یقینی سے انھیں دیکھا۔

"بڑے ابا سے پوچھ لیں۔" ان کی آواز اب بھی آہستہ تھی لیکن بڑے ابا نے سن لیا۔

"کیا؟" انھوں نے سوالیہ نظروں سے طیب کی طرف دیکھا۔

"یہ دریہ پوچھ رہی ہیں کہ ان کی امی کیا ان کی طرح تھیں۔"

"نور...... نور بالکل دریہ جیسی تھی۔" بڑے ابا کی آنکھوں میں جیسے نور کا سراپا سا گیا۔ "کبھی کبھی تو مجھے گماں گزرتا ہے جیسے یہ نور ہو۔ نور کا پرتو اس کا عکس اس کی شبیہہ۔"

دریہ نے ذرا سا رخ پھیر کر طیب کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ابھی بھی حیرت تھی اور پھر بڑے ابا کی طرف متوجہ ہو گئی اور طیب خان دل ہی دل میں اس کی حیرت پر مسکرا دیے اور اگر اسے پتا چلے کہ میں نے برسوں اس کی امی کو اپنی امی جانا ہے اور ہر رات سونے سے پہلے اس شبیہہ کو اپنے تصور میں لا کر ڈھیروں

باتیں کی ہیں تو کس قدر حیران ہو۔

اور پھر اس روز بڑے ابا دیر تک نور الہدیٰ کی باتیں کرتے رہے۔ اس کے شوق' اس کی دلچسپیاں' اس کے ارادے' اس کی گفتگو' اس کی شرارتیں اور وہ بھی دریہ کے ساتھ نہایت شوق سے بڑے ابا کی باتیں سنتے رہے۔ یوں جیسے نور الہدیٰ صرف دریہ کی ہی ماں نہ ہوں۔ ان کا بھی اس کے ساتھ کوئی بہت بڑا اور گہرا رشتہ ہو۔

اور جب وہ نماز پڑھنے کے لئے اٹھے تو دریہ نے ان سے وہ سوال پوچھ لیا جو شاید بہت دیر سے اس کے دل میں اٹھ رہا تھا۔

"آپ تو پہلی بار پاکستان آئے ہیں اور آپ نے کبھی امی کو نہیں دیکھا۔ پھر آپ نے اتنے یقین سے کیسے کہہ دیا کہ میں بالکل اپنی امی جیسی ہوں؟"

"دریہ!" انہوں نے بہت غور سے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی ملاحت اور معصومیت تھی۔ "بس یونہی میرے دل نے کہا تھا کہ آپ بالکل اپنی امی کے جیسی ہوں گی۔"

وہ وہ راز اس سے کیسے کہہ دیتے جسے بیبا نے ان سے بھی چھپا رکھا تھا۔

اس روز دریہ رات کو بھی ادھر ہی رہی تھی۔ بڑی امی نے اسے روک لیا تھا۔ وہ بہت اداس اور دل گرفتہ تھیں۔

اس روز انہوں نے بھی نور الہدیٰ کے متعلق بہت ساری باتیں طیب سے کی تھیں۔

"نور اکلوتی تھی' لاڈلی تھی پھر بھی اس کے مزاج میں بلا کی نرماہٹ تھی۔ بڑی حلیمی تھی ۔۔۔ بہت برداشت تھی مجھے یاد نہیں کہ کبھی اس نے ملازموں تک سے اونچی آواز میں بات کی ہو۔ بھائیوں کی جان اٹکی ہوئی تھی اس میں اور تمہارے بڑے ابا تو آفس سے آکر جب تک اسے دیکھ نہ لیتے انہیں چین نہیں آتا تھا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ وہ نور کی شادی میں جلدی نہیں کریں گے اور اسے بہت دور نہیں بیاہیں گے۔ یہاں ہی لاہور میں اس کی شادی کریں گے لیکن پھر پتا نہیں کیا ہوا کہ اس نے ابھی اپنا ماسٹرز بھی مکمل نہیں کیا تھا کہ انہوں نے جھنگ کے سید ممتاز کے بیٹے کا رشتہ قبول کر لیا اور شادی اس کا ماسٹر مکمل کرنے کے بعد طے پائی۔ حیدر بھائی اور بھابھی کو بھی رنج ہوا۔ گھر میں لڑکا تھا۔ پھر انہوں نے نور کو باہر کیوں دیا۔"

"حیدر! تم پاگل ہو' نفیس نور سے پورے پانچ سال چھوٹا ہے۔"

"لیکن گھر میں چار پانچ سال کی چھوٹائی بڑائی سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اور پھر اپنی نور تو نفیس سے چھوٹی ہی لگتی ہے۔ بالکل گڑیا سی تو ہے۔"

حیدر بھائی کو از حد رنج تھا۔ وہ تو ہر ایک کی لاڈلی تھی۔

"نفیس مجھے جان سے بھی زیادہ عزیز ہے حیدر علی! لیکن ابھی وہ فرسٹ ایئر کا اسٹوڈنٹ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اسی سال کے اینڈ تک نور کی شادی کر دوں۔ بیٹیاں جوان ہو جائیں تو انہیں زیادہ دیر تک گھر بٹھائے نہیں رکھنا چاہئے۔ جبکہ سید ممتاز علی شاہ کو کون نہیں جانتا۔ زمین' جائیداد ہے۔ جدی پشتی رئیس ہیں اور محفوظ اچھا لڑکا ہے۔ بی اے تک ایجوکیشن بھی ہے۔"

تمہارے بڑے ابا کے سامنے حیدر بھائی تو خاموش ہو گئے تھے لیکن مجھ سے اکثر گلہ کرتے تھے کہ بھائی صاحب نے بہت جلدی کی۔ وہ تھوڑا سا ہی انتظار کر لیتے تو۔۔۔ لیکن بیٹا مقدر کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے۔ نور کا مقدر یہی تھا۔ محفوظ نے بی اے کی ڈگری تو لی تھی لیکن وہ جاہلوں سے بھی بدتر تھا۔ بلاوجہ شک کرتا۔ یونیورسٹی میں پڑھنے پر طعنے دیتا اور ذرا ذرا سی بات پر زدوکوب کرتا۔"

"اور ان کے گھر والے۔" طیب خان نے پوچھا۔

"وہ اس سے بھی دو ہاتھ آگے تھے۔ مہینوں گزر جاتے۔ نور نہ آتی۔ تمہارے تایا اور چاچو جاتے ملنے تو بھی ان پر ظاہر نہ کرتی کہ اس پر کیا گزر رہی ہے۔"

اور وہ نور الہدیٰ پر ہونے والے ظلم کی کہانی سن کر

بے حد اداس ہو گئے تھے۔ دل میں جیسے اس دکھ سے خراش سی پڑ گئی تھی۔ اسمارہ نے انہیں نوٹ کیا تھا۔

"کیا بات ہے بھائی! آپ آج بہت اداس لگ رہے ہیں۔ کیا ماموں جان یاد آ رہے ہیں۔"

"ہاں شاید میں بیبا سے اس طرح اتنے دن پہلی بار جدا ہوا ہوں۔"

اور اس روز ان کی دریہ سے بھی بہت باتیں ہوئی تھیں۔ وہ اس سے اس کی دلچسپیاں۔ اس کے شوق اور اس کی مصروفیات پوچھتے رہے تھے اور اس کے مستقبل کے پلان۔

"میں اور دریہ ہم دونوں لیکچرر شپ کے لئے اپلائی کریں گے۔"

اسمارہ نے انہیں بتایا تھا اور کنزیٰ اور سدرہ نے اس کا مذاق اڑایا تھا۔

"یہ خواب بہت دیکھتی ہے۔"

سدرہ نے انہیں اطلاع دی۔ "اس کی تعلیم مکمل ہوتے ہی اس کی شادی ہو جائے گی۔" اس کی اور کنزیٰ کی۔ دونوں کی نسبت نفیس چاچو کے سسرال میں طے پا چکی تھی۔

"کیسے ہیں وہ لوگ؟"

انہوں نے چونک کر اسمارہ اور کنزیٰ کی طرف دیکھا تھا۔ اسمارہ کی شوخی انہیں پسند تھی اور چند ہی دنوں میں وہ انہیں اپنی سگی بہنوں کی طرح عزیز ہو گئی تھی اور شاید ابھی تک ان کے ذہن میں نور الہدیٰ کے سسرال کا تصور تھا کہ ایک لمحہ کو وہ کانپ سے گئے۔

"بہت نفیس بہت اچھے۔ بہت شائستہ لوگ ہیں۔ چچی نے خود گواہی دی ہے اور ہم بھی طویل عرصے سے جانتے ہیں انہیں۔"

سدرہ نے تسلی دینے کے انداز میں کہا تو ان کے دل کا اضطراب کچھ کم ہوا۔ عبداللہ بھائی انجینئر ہیں اور وہ آپی سے منسوب ہیں۔ جبکہ حمزہ بھائی ڈاکٹر ہیں اور وہ اپی سے منسوب ہیں۔ یہ محض اتفاق ہے کہ جب سے آپ آئے ہیں وہ لوگ ادھر نہیں آئے۔ عبداللہ بھائی تو خیر اسلام آباد میں ہیں لیکن حمزہ بھائی تو یہاں ہی ہیں۔ میں کل ہی فون کروں گی انہیں۔ اف وہ ہم نے سب کو آپ کی آمد کی اطلاع دی لیکن انہیں ہی خبر نہیں۔۔۔۔"

"ہاں!" اسمارہ نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اور تو اور گلاب دین کے سسرال میں بھی خبر ہو چکی ہے کہ جمال چاچو کے بیٹے آئے ہیں اور۔۔۔۔"

"سوری یار! میں تمہارے حمزہ کو ابھی فون کر کے بتا دیتی ہوں۔"

یوں گفتگو میں شگفتگی کا رنگ آیا تو اداسی کے بادل بھی مٹ گئے۔ خاموش ایک طرف بیٹھی دھیرے دھیرے مسکراتی دریہ انہیں بے حد اٹریکٹ کر رہی تھی اور وہ خود کو اسے دیکھنے سے باز نہیں رکھ پا رہے تھے اور اسمارہ شریر نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

اس رات بھی جب وہ بیڈ پر لیٹے تو بہت دیر تک دریہ کے متعلق سوچتے رہے۔ پھر اگلے چند دن انہوں نے مسلسل دریہ کے متعلق سوچا اور کئی بار اپنی سوچوں پر از حد حیران بھی ہوئے۔ انہیں حیرت تھی کہ انہوں نے ان سارے دنوں میں ایک بار بھی جین کے متعلق نہیں سوچا تھا۔ اور اس روز بالکل اچانک ہی جین کا فون آ گیا تھا۔ یقیناً اس نے بیبا سے ہی یہاں کا نمبر لیا ہو گا۔

"کیسی ہو جین؟"

جین کی آواز سن کر ایک خوشگوار سا احساس ان کے رگ و پے میں اتر گیا اور انہیں حیرت ہوئی کہ اتنے بہت سارے دنوں سے انہوں نے جین کے متعلق سوچا تک نہ تھا۔

"فائن!" جین کی آواز میں وہ کھنک نہ تھی جو ہمیشہ ہوتی تھی۔

"کیا بات ہے جین تم کچھ اداس لگ رہی ہو؟" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں تو میں تو بہت خوش ہوں اور میں نے تمہیں یہ بتانے کے لئے فون کیا تھا کہ میں نے جولی سے منگنی کر لی ہے۔"

"جولی سے!"

"ہاں اور اس ماہ کے اینڈ میں ہماری شادی ہے۔"

"لیکن جین تم......"

"اب کچھ کہنے کا فائدہ نہیں ہے طیب۔ اس لئے کہ میں ایک موہوم سی امید پر جونی کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ جونی نے لاسٹ ویک مجھے پروپوز کیا تھا اور کل شام اس نے مجھے انگیجمنٹ رنگ بھی دی ہے۔"

"اوہ!" انہوں نے ایک طویل سانس لیا۔

"مبارک ہو۔"

"تھینک یو۔" جین چہکی۔

"کیا میں امید رکھوں کہ ایک اچھے دوست ہونے کے ناتے تم میری شادی میں شرکت کرو گے؟"

"وائے ناٹ۔ میں تمہاری شادی سے دو دن پہلے ہی پہنچ جاؤں گا۔"

اور انہیں حیرت ہوئی کہ جین کی شادی کا سن کر انہیں کوئی دکھ نہیں ہوا تھا بلکہ جیسے وہ ہلکے پھلکے سے ہو گئے تھے جیسے کوئی انجانی زنجیریں تھیں اَن دیکھی اور غیر مرئی سی جو ان کے قدموں میں پڑی تھیں اور وہ ان سے آزاد ہو گئے تھے اور اس روز انہوں نے اسارہ سے کہا تھا۔

"امی! یہ دریہ کو آئے بہت دن نہیں ہو گئے کیا۔"

"نہیں تو ابھی تو صرف چار دن ہی ہوئے ہیں اور دریہ تو کبھی دو دو ہفتے نہیں آتی۔" وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

"آج یونیورسٹی سے واپسی پر دریہ کو ساتھ ہی لے آنا کہیں گھومنے کا پروگرام بنائیں گے بلکہ بڑے ابا سے اجازت لے کر آج تم سب کو باہر کھانا کھلاؤں گا۔ تم سب کی پسندیدہ جگہ پر۔"

"یہ راتوں رات کیا انقلاب آ گیا بھائی۔" جلدی جلدی چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے اسارہ مسلسل شرارت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"انقلاب تو راتوں رات ہی آتے ہیں ڈیئر سسٹر۔" کنزیٰ نے بھی شریر نظروں سے انہیں دیکھا تو وہ جھینپ گئے۔

"وعدہ نہیں کرتی بھائی! لیکن کوشش کروں گی کہ دریہ کو ساتھ لے آؤں۔ لیکن ملکہ عالیہ اپنی مرضی کی مالک ہیں۔"

جاتے جاتے اس نے کہا تو وہ دن بھر انتظار کی سی کیفیت میں رہے۔ بڑے ابا کو اخبار پڑھ کر سناتے ہوئے ان کے کئی بار کیے گئے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے بھی ان کا دھیان دریہ کی طرف لگا رہا اور پتا نہیں وہ امی کے ساتھ آئے گی بھی یا نہیں۔

اور جب باہر لاؤنج میں انہیں دریہ کی آواز سنائی دی جو بڑی امی کو سلام کر رہی تھی اور ساتھ ہی امی کی بلند آواز "سدرہ کالج سے آ گئی ہو تو اپنے حجرے سے باہر تشریف لے آؤ' دریہ آئی ہے۔"

اور بڑے ابا کے پاس بیٹھے بیٹھے ان کے اندر چراغاں سا ہو گیا انتظار کے جو دیئے صبح سے ان کے اندر جل رہے تھے ایک دم لو دے اٹھے تھے۔ اور پھر دائیں ہاتھ میں چادر پکڑے اور بائیں کندھے پر بیگ لٹکائے جب دریہ اندر داخل ہوئی تو وہ بے اختیار اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ہمیشہ کی طرح سادہ سے حلیے میں بھی وہ قیامت ڈھا رہی تھی۔

"اپنا وعدہ یاد رکھئے گا رات کا کھانا ہم باہر کھائیں گے۔"

اسارہ نے دروازے سے جھانک کر بڑے ابا کو سلام کرتے ہوئے انہیں اپنا وعدہ یاد دلایا تھا۔

"یاد ہے نانی گرل! اور ہم وعدے کر کے اسے نبھانا بھی جانتے ہیں۔"

لیکن وہ وعدہ نہ نبھا سکے تھے کہ اسی رات بڑے ابا کو ہلکا سا اٹیک ہو گیا تھا اور انہیں ہاسپٹل لے جانا پڑا تھا اور پھر جتنے دن وہ ہاسپٹل رہے دریہ ہاسٹل نہیں گئی بلکہ ہاسپٹل میں ہی رہی۔ وہ بھی زیادہ تر ہاسپٹل میں رہتے تھے۔ تاؤ اور چاچو کو انہوں نے تسلی دے دی تھی۔

"آپ اطمینان سے اپنے اپنے آفسز جائیں، میں ہوں نا بڑے ابا کے پاس تو آپ کو کیا فکر ہے۔ یوں بھی بڑے ابا اب خطرے سے باہر آ گئے تھے۔ ڈاکٹر نے احتیاطاً چند دن اور ہاسپٹل میں رہنے کو کہا تھا اور ان چند دنوں میں دریہ کے اور ان کے درمیان تکلف کے

سارے پردے گر گئے تھے۔ انہیں یوں لگتا تھا جیسے وہ برسوں سے انہیں جانتے اور پہچانتے ہوں اور جیسے اب تک وہ جو جین سے باوجود اسے پسند کرنے کے کوئی اعتراف نہ کر سکے تھے تو شاید اس لئے کہ انہیں دریہ سے ملنا تھا اور شاید دریہ ہی وہ لڑکی ہے جس کے سنگ زندگی کا سارا سفر انہیں بتانا ہے۔ اور پپا تو یقیناً بہت خوش ہوں گے میرے اس فیصلے سے اور شاید پپا نے اسی لئے مجھے یہاں بھیجا ہے کہ میں کسی پاکستانی لڑکی کو پسند کروں۔

اس روز بڑے ابا ہاسپٹل سے گھر آئے تھے اور ان کی طبیعت پہلے سے بہت بہتر تھی۔ دریہ ان کے بیڈ پر بیٹھی تھی اور وہ بیڈ کے قریب ہی کرسی بچھائے دریہ کو بڑے ابا سے باتیں کرتے دیکھ رہے تھے۔ تاؤ منیر اور حفیظ چاچو اور ڈاکٹر حمزہ کچھ دیر پہلے ہی یہاں سے اٹھ کر گئے تھے۔ ڈاکٹر حمزہ انہیں بہت اچھے لگے تھے اور ان چند دنوں میں ان کی اچھی خاصی فرینڈشپ ہو گئی تھی۔ اسارہ یونیورسٹی میں آج چھٹی تھی۔ کنزیٰ حسب معمول کچن میں مصروف تھی جبکہ سدرہ اور اسارہ سدرہ کی دوست کی بہن کی شادی میں شرکت کے لئے گئی ہوئی تھیں۔ اسارہ کا موڈ نہیں تھا لیکن سدرہ بھی اکیلے کیسے جاتی۔ بڑی امی نے کہا تھا سو اسے "مجبوراً" جانا پڑا تھا۔

"دریہ بیٹے! تمہاری پڑھائی کا بہت حرج ہوا۔ پورا ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔" بڑے ابا کو افسوس ہو رہا تھا۔

"نہیں بڑے ابا! کوئی ایسا خاص نہیں۔ کورس تو تقریباً مکمل ہی ہو چکا ہے۔"

اور تب ہی دروازہ زور سے کھلا تھا۔ دریہ یکدم گھبرا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"ابا آپ؟"

طیب نے مڑ کر آنے والے اجنبی کو دیکھا تھا۔ اجنبی کی شخصیت زبردست تھی لیکن پیشانی پر بے شمار شکنوں کا جال تھا اور آنکھیں غصے کی سرخی سے سرخ ہو رہی تھیں۔

"دریہ!"

وہ کسی کو مخاطب کئے بغیر براہ راست دریہ کی طرف دیکھ رہے تھے جو یکدم سپید پڑ گئی تھی اور اس کے ہاتھ ہولے ہولے لرز رہے تھے۔

"تمہیں پتا ہے میں نے تم سے کیا کہا تھا کہ میں تمہارا خواہ مخواہ یہاں آنا پسند نہیں کرتا۔"

"سوری ابا! لیکن وہ اسارہ نے بتایا تھا کہ بڑے ابا بیمار ہیں اس لئے......" اس کی آواز میں بھی لرزش تھی۔

"بیٹھ جاؤ محفوظ بیٹا! اور اتنے غصے میں کیوں ہو۔ دریہ بچی کسی غیر کے گھر نہیں اپنے نانا نانی کے گھر آئی ہے۔ ہمارا بھی حق ہے کہ اپنی بیٹی کی نشانی کو دیکھ کر کبھی کبھی آنکھوں کو ٹھنڈا کر لیں۔" بڑے ابا کا لہجہ بہت نرم تھا۔

"تو ملانے لاتا تو ہوں مہینے دو مہینے بعد۔ اور یوں ہاسٹل سے اس طرح بلا اجازت اس کا یہاں چلے آنا مجھے پسند نہیں ہے۔ ہرگز بھی نہیں۔ خدانخواستہ آپ کچھ ایسے شدید بیمار بھی نہیں دکھتے کہ......"

ان کا لہجہ طنز کی کاٹ لئے ہوئے تھا۔

"بڑے ابا آج ہی ہاسپٹل سے آئے ہیں۔" طیب نے انہیں بتایا تو انہوں نے تیکھی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"یہ طیب ہے اپنے جمال کا بیٹا۔ کچھ ہی دن ہوئے امریکہ سے آیا ہے۔" بڑے ابا نے ان کا تعارف کروایا۔

"حیرت ہے ابا جان! آپ نے ایک نامحرم کو اتنی بے تکلفی سے پاس بٹھا رکھا ہے جبکہ آپ کی نواسی بھی یہاں موجود ہے۔" وہ بدستور طیب خان کا جائزہ لے رہے تھے۔ بڑے ابا کے چہرے کا رنگ بدلا۔

"بیٹا! جمال میرے لئے منیر اور حفیظ کی ہی طرح سے تھا سو......"

"پھر بھی جمال آپ کا خون تو نہیں تھا۔ ایک لے پالک ہی تو تھا نا۔"

انہوں نے غصے سے دریہ کا ہاتھ پکڑا۔

"اور میں نے اسی لئے تمہیں یونیورسٹی نہیں بھیجا

تھا کہ تم وہاں سے جہاں جی چاہے جاتی پھرو۔ تمہاری ماں نے سچ ہی کہا تھا کہ جوان لڑکیوں کو یوں بے مہار نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

دریہ کی آنکھوں سے آنسو چھلک جانے کو بے تاب ہو رہے تھے جنہیں وہ پلکیں جھپک جھپک کر روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"سوری ابا! میں نے کہا نا کہ بڑے ابا کی بیماری کا سن کر......" اس نے بمشکل پلکیں اٹھائیں۔

"اور یقین کیجئے میں کہیں بھی نہیں جاتی کسی بھی جگہ نہیں۔"

"اور تمہارا کیا اعتبار اگر یہاں تک آ گئی ہو تو اور کہاں کہاں نہ جاتی ہو گی۔" محفوظ شاہ کا لہجہ تیر برسا رہا تھا اور کاش وہ اس شخص کی زبان بند کرنے کی قدرت رکھتے اور وہ سارے تیر اپنی جان میں اتار لیتے جو دریہ کی طرف جا رہے تھے۔

"معاف کیجئے گا ابا جان!" محفوظ شاہ دریہ کا ہاتھ تھامے تھامے پلٹے۔

"جب تک یہ شخص یہاں ہے دریہ ادھر نہیں آئے گی یہ ایک بے اعتبار ماں کی بیٹی ہے۔"

"محفوظ شاہ!" بڑے ابا اٹھنے کی کوشش میں لڑکھڑائے۔ "میری پاک باز اور نیک طینت بیٹی کے متعلق ایک لفظ بھی مت کہنا مزید ورنہ......"

"ورنہ کیا!" وہ تمسخر سے ہنسا تو طیب خان جو اب تک برداشت کیے بیٹھے تھے ضبط کی ساری لگامیں ہاتھوں سے چھوڑ کر اٹھ بیٹھے اور ایک ہاتھ سے بڑے ابا کو سہارا دیتے ہوئے انہوں نے خشمگیں نظروں سے محفوظ شاہ کو دیکھا۔

"ورنہ یہ زبان گدی سے کھینچ لی جائے گی۔" انہوں نے آہستہ لیکن مضبوط لہجے میں کہا۔

"اور اب آپ یہاں سے چلے جائیں۔ اس سے پہلے کہ میں آپ کی شان میں کوئی گستاخی کر بیٹھوں۔"

اس وقت غصے کی شدت میں وہ دریہ کو بھی بھلا بیٹھے تھے اور انہیں خود ہرگز اندازہ نہ تھا کہ وہ اتنے سارے دنوں میں بڑے ابا اور اس گھر سے اتنے انچ ہو جائیں گے۔ ضبط کی شدت سے ان کا چہرہ تپ رہا تھا۔ ان کا بس چلتا تو وہ سچ مچ ہی اس کی زبان گدی سے کھینچ لیتے جو فضول بک رہی تھی۔

"یہ... یہ کیا ہو رہا ہے؟" حفیظ شاہ گھبرائے ہوئے سے اندر داخل ہوئے۔ "میں فون کر رہا تھا تو گلاب دین نے مجھے آپ کی آمد کا بتایا۔ محفوظ بھائی بیٹھئے نا آپ۔"

وہ یکایک ہی محفوظ شاہ کی طرف مڑ گئے تھے۔ انہوں نے بڑے ابا کے لرزتے وجود اور دریہ کے آنسوؤں کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

"بڑے دنوں بعد آپ آئے ہیں۔ گھر میں سب خیریت ہے نا۔"

ان کا لہجہ نرمی لیے ہوئے تھا۔ شاید انہوں نے صورت حال کو ایک ہی نظر میں جانچ لیا تھا اور اب آگ پر پانی ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"میں دریہ کو لینے آیا تھا۔ یہ بغیر میری اجازت کے ہاسٹل سے چلی آئی یہاں۔"

"سوری محفوظ بھائی! بڑے ابا بہت بیمار تھے دریہ کو دیکھنا چاہتے تھے اس لیے میں نے امی سے کہا تھا کہ وہ دریہ کو لے آئے۔ آپ کو برا لگا ہے تو میں معذرت خواہ ہوں۔ اس میں دریہ کا کیا قصور ہے۔ مجھ سے ہی غلطی ہوئی۔ میں اس پر شرمندہ ہوں۔ مجھے فون کر کے آپ سے پوچھ لینا چاہیے تھا۔" حفیظ پاشا کی اس نرم گفتگو سے محفوظ کے ماتھے کے بل کچھ کم ہوئے۔

"ہاں! آپ کو چاہیے تھا کہ آپ مجھ سے اجازت لے لیتے اور ان حالات میں تو آپ کو دریہ کو یہاں ہرگز نہیں لانا چاہیے تھا جب یہاں ایک نامحرم بھی موجود تھا۔" انہوں نے ایک غصیلی نظر طیب خان پر ڈالی جو بڑے ابا کو سہارا دیے بیڈ پر بٹھا رہے تھے۔

"میں نے معذرت تو کی ہے محفوظ بھائی! آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔" ان کے لہجے میں ابھی تک وہی نرمی تھی۔

"آپ بیٹھیں پلیز۔ میں چائے منگواتا ہوں بلکہ آپ تو کھانا کھا کر ہی جائیے گا۔ کیا آج ہی واپسی ہے یا

ٹھہریں گے ایک دو روز؟"

"نہیں! مجھے ابھی واپس جانا ہے۔ وہ تو میں کسی کام سے لاہور آیا تھا سوچا دریہ سے ملتا جاؤں۔ وہاں سے پتا چلا کہ نانا کے گھر آئی ہوئی ہے اور یہاں آ کر دیکھا تو ......" وہ ذرا سا رکے۔

"حیرت ہے حفیظ شاہ! یہاں بھی جوان لڑکیاں موجود ہیں اور یہ شخص اتنی بے تکلفی سے یہاں گھر کے اندر موجود ہے۔"

"یہ جمال بھائی کا بیٹا ہے، محفوظ بھائی!"

"کون جمال...... وہی نا جس نے ابا جان کے احسانوں کا بدلہ اس طرح دیا کہ ان کی بیٹی پر بری نظر ڈالی اور اس جرم کی پاداش میں ملک بدر کر دیا گیا۔"

"شٹ اپ۔" طیب خان کے ہونٹوں سے شعلہ سا نکلا تھا اور بے اختیار ان کا ہاتھ اٹھا جسے حفیظ شاہ نے پکڑ کر نیچے کر دیا اور تنبیہی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں تھی محفوظ بھائی اور اگر ایسی بات ہوتی تو آج طیب یہاں نہ ہوتے۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ بہت بڑی غلط فہمی۔"

بڑے ابا تھر تھر کانپ رہے تھے۔

"حفیظ! اس سے کہو یہاں سے چلا جائے اس سے پہلے کہ میری برداشت ختم ہو جائے۔ میں نے اگر بیٹی کو صبر کر لیا ہے تو نواسی کو بھی صبر کر لوں گا لیکن خدا کی قسم اب اگر اس کے منہ سے میری بیٹی کے لیے کوئی ایک بد کلمہ بھی نکلا تو میں اس کی جان لے لوں گا۔ میرے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے ابھی کہ میں اپنی بیٹی کے قاتل کو......"

وہ ہانپنے لگے۔ ان کا سانس اکھڑنے لگا تو طیب انہیں لٹا کر ان کے سینے پر مالش کرنے لگا۔ "ریلیکس بڑے ابا ریلیکس۔"

اور محفوظ شاہ کا بازو پکڑے دھیمے دھیمے لہجے میں ان سے بار بار معذرت کرتے حفیظ شاہ انہیں باہر لے گئے۔ دریہ نے ڈبڈبائی نظروں سے ایک بار مڑ کر بڑے ابا اور پھر طیب کی طرف دیکھا اور ان کے پیچھے باہر نکل گئی اور طیب نے سنا حفیظ چاچو ہولے ہولے محفوظ شاہ سے کہہ رہے تھے۔

"میں بہت شرمندہ ہوں۔ دراصل بڑے ابا بیماری کی وجہ سے اس طرح برداشت کھو بیٹھے ہیں اور......"

طیب خان کو حفیظ شاہ کی اس برداشت اور تحمل پر ازحد حیرت ہوئی۔

"تو غصہ کر کے جھگڑا بڑھا کر دریہ کو کھو دیتے۔ اکیلا کر دیتے اسے۔ وہ تو مر ہی جاتی اور کیا بڑے ابا دریہ کے بغیر رہ سکتے۔"

محفوظ شاہ کو گیٹ تک رخصت کر کے حفیظ شاہ واپس آئے تو ان کے استفسار پر انہوں نے کہا۔

"خون میرے بھی سینے کی دیواروں سے ٹھوکریں مار رہا تھا لیکن میں نے ضبط کیا۔ اس لیے کہ دریہ کے لیے ہمیں خاموش ہی رہنا تھا۔"

"تو کیا اب وہ دریہ کو منع نہیں کریں گے یہاں آنے سے؟"

"شاید ہاں! کہہ تو رہے تھے کہ ہمیشہ کی طرح وہ مہینے دو مہینے بعد وہ خود ملانے لے آئیں گے دریہ کو۔"

حفیظ شاہ نے بڑے ابا کے پاس بیٹھ کر انہیں تسلی دی۔ لیکن بڑے ابا آنکھیں موندے بنا بولے یونہی چپ چاپ لیٹے رہے۔ حفیظ شاہ نے انہیں گولی دی اور طیب خان کو لے کر باہر آ گئے۔

"دریہ پہلے تو محفوظ بھائی کے ساتھ ہی آتی تھی کبھی کبھار ملنے کے لیے۔ اکثر تو کئی مہینے گزر جاتے ہم لوگ فون کر کے تھک جاتے اور محفوظ بھائی کے پاس وقت ہی نہ ہوتا۔ فرصت ہی نہ ملتی۔ یہ تو اب جب سے دریہ نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا ہے خود ہی کبھی کبھی اسمارہ کے ساتھ آ جاتی ہے۔ جب دل گھبراتا ہے اس کا اور جب کبھی بڑے ابا بہت اداس ہوتے ہیں تو میں خود جا کر لے آتا ہوں اور محفوظ بھائی کو شاید اس کی خبر نہیں کہ وہ اس طرح اکثر آ جاتی ہے ادھر۔"

"سوری چاچو! شاید میرے یہاں ہونے سے زیادہ بدمزگی ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اب چلے جانا چاہیے۔"

UrduPhoto.com
Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com

"احمق ہو تم۔" حفیظ چاچو نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔

"یہ محفوظ بھائی کا گھر نہیں ہے۔ النور ہے اور النور والے کسی دوسرے کی مرضی پر نہیں چلتے۔"

پھر بھی رات بہت دیر تک وہ جاگتے رہے اور سوچتے رہے کہ انہیں یہاں سے چلا جانا چاہئے۔ شاید پپا بھی اس لئے یہاں سے چلے گئے تھے۔ شاید ان کا یہاں نہ رہنا اور مڑ کر نہ آنا۔ نور الہدیٰ سید کی وہ خوبصورت تصویر جو ان کے لاکر میں رکھی تھی۔

"پپا نور الہدیٰ کو پسند کرتے ہوں گے شاید دل ہی دل میں چاہتے ہوں گے لیکن بری نظر۔۔۔"

"نو ناٹ امپاسیبل" پپا کے بے داغ کردار کی قسم تو وہ بھی کھا سکتے تھے امریکہ جیسے ملک میں رہ کر بھی ان کے کردار میں کوئی جھول نہ تھا اور پپا تو ان کا آئیڈیل تھے۔ کس طرح میری کی علیحدگی کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو طیب کے لئے وقف کر دیا تھا۔ چاہتے تو زندگی انجوائے کر سکتے تھے۔

"لیکن کیا واقعی وہ یہاں سے جا پائیں گے؟"

ان کے دل پر جیسے گھرا سا گرنے لگا۔ دکھ انجانا سا دکھ جس سے وہ پہلے نا آشنا تھے۔ قطرہ قطرہ کر کے ان کے اندر اترنے لگا۔ ان کا دل بھنچنے لگا اور اٹھ کر سگریٹ سلگاتے ہوئے ان پر انکشاف ہوا کہ وہ دریہ سے محبت کرنے لگے ہیں۔ بہت انوکھی اور بہت شدید قسم کی محبت۔

"اور اس محبت کا انجام۔"

انہوں نے اپنے آپ سے پوچھا۔

"لیکن شاید محبت ہمیشہ اپنے انجام سے بے خبر ہوتی ہے۔ سو وہ بھی اس محبت کے انجام سے بے خبر تھے جس کا انکشاف اچانک ہی ان پر ہوا تھا۔ اور یہ بڑی انوکھی اور عجیب رات تھی۔ کبھی تو یکایک دل میں چراغاں ہونے لگتا اور کبھی اتنا دھواں پھیل جاتا کہ دم گھٹنے لگتا۔ کبھی منزل یکدم سامنے نظر آنے لگتی اور کبھی گہری دھند کے پیچھے چھپ جاتی۔

دریہ محفوظ شاہ یہ آپ نے کیا کیا، کیسے چپکے سے خموشی سے ہمیں ہم سے ہی چھین لیا اور ہمیں خبر تک نہ ہوئی۔

وہ بہت مضطرب اور بہت بے چین تھے۔ پھر بھی جب وہ بستر پر لیٹے تو دل ہی دل میں فیصلہ کر چکے تھے کہ وہ دریہ سے متعلق پپا سے بات کریں گے۔

کسی انجانی ناکامی کے خیال سے کوشش نہ کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ لیکن ابھی انہوں نے پپا سے بات ہی نہیں کی تھی کہ بڑے ابا کی طبیعت پھر اچانک خراب ہو گئی۔ محفوظ شاہ کی باتوں کا انہوں نے بہت گہرا اثر لیا تھا اور انہیں یہ بھی خوف تھا کہ محفوظ شاہ کہیں دریہ کو ان کے پاس آنے سے روک ہی نہ دیں۔ کہنے کو تو انہوں نے کہہ دیا تھا کہ وہ نور کی طرح دریہ پر بھی صبر کر لیں گے لیکن دل تو دریہ کے جاتے ہی بے چین ہو گیا تھا۔ حالانکہ حفیظ شاہ نے انہیں بہت تسلی دی تھی۔

"محفوظ بھائی کا غصہ بہت حد تک کم ہو چکا تھا اور جاتے جاتے انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ دریہ کو نہیں روکیں گے اور وہ حسب معمول اسے ملانے لاتے رہیں گے۔"

"لیکن وہ تو بہت دنوں بعد آتا تھا اور اب اگر اس نے دریہ کو یونیورسٹی آنے سے روک دیا تو پھر تو ہم مہینوں ترستے رہ جائیں گے اسے دیکھنے کو۔ اب تو یہاں ہوتی ہے اور۔۔۔"

وہ اسمارہ کے یونیورسٹی سے آتے ہی اسے بلا بھیجتے یا پھر اس کے انتظار میں لاؤنج میں بیٹھ جاتے۔

"دریہ ابھی نہیں آئی گاؤں سے۔" وہ بتاتی تو ان کے چہرے پر مایوسی اتر آتی۔

"پتا نہیں آئے گی یا نہیں، محفوظ بہت غصے میں تھا۔"

"بڑے ابا اب تو چند ماہ بعد فائنل ہونے والے ہیں۔ وہ اس طرح اس موقع پر یونیورسٹی نہیں چھوڑ سکتی۔"

اسمارہ انہیں تسلی دیتی پھر بھی ان کی بے چینی کم نہیں ہوتی تھی اور آج جب اسمارہ نے بتایا کہ وہ گاؤں

سے آ گئی ہی تو ان سے صبر نہ ہو سکا اور انہوں نے طیب خان کو بھیج ہی دیا اسے لانے کو۔ وہ ذرا سا جھجکے تھے۔

"کیا یہ مناسب ہے بڑے ابا!"

"کیا تم ایک ڈرائیور سے بھی زیادہ نا اعتبار ہو۔"

"وہ امی اور کزنز وغیرہ کہیں گئی ہوئی ہیں۔"

"جمال کے بیٹے ہو نا تم اور مجھے جمال پر ہمیشہ فخر رہا ہے۔"

وہ دریہ سے ملنے کو بہت بے چین ہو رہے تھے۔

"مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے بیٹا! مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے کہ کہیں اس ظالم نے دریہ کو اذیت نہ پہنچائی ہو۔"

اور وہ بڑی امی سے گاڑی کی چابی لے کر ہاسٹل چلے آئے تھے۔

"آپ!" "ہم نہیں تنہا دیکھ کر دریہ حیران ہوئی۔ شاید اس روز والی بات کے بعد اسے ان کے آنے کی توقع نہ تھی اور دریہ بھی اکیلے۔

"ہاں بڑے ابا نے بھیجا ہے مجھے وہ بہت بے چین ہو رہے ہیں۔ آپ آئی کیوں نہیں امی کے ساتھ۔"

"وہ آج طبیعت ٹھیک نہ تھی سوچا تھا ویک اینڈ پر آؤں گی۔"

اس نے نظریں جھکا لی تھیں۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور زرد ہو رہا تھا۔

"اور اب کیا پروگرام ہے، چلیں گی۔"

لحہ بھر کو وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"مجھ پر اعتماد نہیں ہے یا۔۔۔"

"نہیں بات اعتماد کی نہیں بلکہ ابا نے سختی سے منع کیا ہے 'النور' جانے کو۔ لیکن مجھے ایک بار تو جانا ہی ہے۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور یوں جیسے اپنے آپ سے بات کر رہی ہو۔

"ایک بار تو ملنا ہے سب سے پھر نہ جانے۔۔۔"

"بڑے ابا تو ٹھیک ہیں نا؟" اس نے جاتے جاتے پلٹ کر پوچھا۔

"کچھ زیادہ نہیں۔"

وہ اسے ایک نظر دیکھ کر گاڑی میں آ بیٹھے اور جب وہ چادر لے کر گاڑی میں آ کر بیٹھی تو انہوں نے گیئر لگاتے ہوئے ایک نظر اس کے زرد زرد چہرے پر ڈالی۔

"دریہ! آپ بہت پریشان ہیں۔ کیا ابا نے کچھ کہا۔ ڈانٹا کہیں انہوں نے۔۔۔"

وہ خاموشی سے لب بھینچے ونڈ اسکرین سے باہر دیکھتی رہی۔

"دریہ! میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے۔ کیا آپ جانتی ہیں کہ میں اتنے دن کس قدر پریشان رہا ہوں۔ میں نے ان گزرے دنوں کا ہر ہر لمحہ آپ کو سوچا ہے اور بہت دیانتداری سے فیصلہ کیا ہے کہ مجھے آپ کو پروپوز کر دینا چاہئے لیکن بڑے ابا اور پپا سے بات کرنے سے پہلے میں آپ کی رائے بھی جاننا چاہتا ہوں اور میں نے بہت دعا کی تھی کہ جب آپ گاؤں سے آئیں تو میں اکیلے میں چند لمحوں کے لئے آپ سے بات کر سکوں۔"

"دریہ میں شرمندہ ہوں کہ میرے اس وقت وہاں ہونے کی وجہ سے آپ کی ذات زیر عتاب آئی۔ لیکن دریہ میں بہت یقین اور اعتماد کے ساتھ آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں آپ سے محبت کرنے لگا ہوں، میں نہیں جانتا کہ ایسا کب ہوا اور کیوں ہوا۔ لیکن یہ فیکٹ ہے دریہ۔ میں نے اپنی زندگی کے اب تک کے سال جہاں گزارے ہیں وہاں لڑکی سے ملنا، بات کرنا، دوستی کرنا سب بہت عام ہے لیکن میری زندگی کی شفاف سڑک پر کہیں کوئی دھول، مٹی اور گرد نہیں ہے۔ مجھے آج تک سوائے جین کے کسی لڑکی نے متاثر نہیں کیا۔ جین میری بہت اچھی دوست ہے۔ شاید جین نے بھی مجھے اس لئے متاثر کیا کہ اس میں مشرقیت ہے کہیں کچھ۔"

اور انہوں نے ہولے ہولے اپنے اور جین کے متعلق ہر بات دریہ سے کہہ دی۔

"میں نے جین کی اتنی محبتوں کے باوجود بھی اس کے لئے اس طرح نہیں سوچا جس طرح آپ کے

لئے۔ شاید اس کی وجہ میری ماں کا رویہ ہو۔ لیکن یہ سچ ہے دریہ جب پہلی بار میں نے آپ کو سوچا تو میرے تصور میں یہی خیال آیا کہ اس لڑکی کو تو زندگی کا ساتھی ہونا چاہئے۔"

انہوں نے اپنا آپ کھول کر دریہ کے سامنے رکھ دیا تھا۔

دریہ خاموشی سے بیٹھی لب کاٹتی رہی اور اس کی آنکھوں کے کٹوروں میں پانی تیرتا رہا۔

"دریہ! میں جانتا ہوں آپ تک پہنچنا کوئی آسان نہیں ہوگا لیکن میں کوشش کروں گا کہ اس راہ میں جو کانٹے بھی چبھیں انہیں میں اپنی ہتھیلیوں میں اتار لوں اور اس کی ہلکی سی چبھن بھی آپ تک نہ پہنچے۔"

انہوں نے ذرا سا چہرہ موڑ کر دریہ کی طرف دیکھا جو ہاتھ گود میں دھرے بیٹھی تھی اور نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے سختی سے دبائے ہوئے تھی پھر بھی آنسو قطرہ قطرہ کرکے اس کے سفید نازک انگلیوں والے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔

"دریہ پلیز! کچھ تو کہیں۔ مجھے ریجیکٹ کرنے کا حق ہے آپ کو۔ بخدا میں ایک لفظ بھی شکوے کا نہیں کہوں گا۔"

اور پھر جیسے ضبط کی ساری کوششیں بے کار چلی گئیں۔ وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ انہوں نے ایک طرف مناسب جگہ دیکھ کر گاڑی کھڑی کردی اور کچھ دیر دریہ کو رونے دیا اور پھر روتے روتے اور ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھتے پونچھتے دریہ نے بتایا کہ محفوظ شاہ نے اس کی شادی کی بات جابر علی شاہ سے کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس کے امتحان کے بعد" اور مجھے کوئی اعتراض نہ ہوتا اگر جابر علی شاہ صرف جاہل ہوتا اور اگر وہ صرف بدصورت ہوتا لیکن وہ تو ایب نارمل ہے۔ وہ تو سوائے اپنی ماں کے کسی کو پہچانتا ہی نہیں اور اس تیس سالہ مرد کے جسم میں چار سالہ بچے کا دماغ ہے۔"

"اوہ نو!" اس ظلم پر ان کا دل تڑپ اٹھا اور انہوں نے بمشکل خود پر قابو پایا۔ اگر وہ یورپ میں ہوتے تو اسی وقت اس سے کورٹ میرج کر لیتے لیکن.....

"اور جابر شاہ بڑے تایا کا اکلوتا بیٹا ہے اور امی بہت عرصے سے ابا سے کہہ رہی تھیں کہ تایا کی جائیداد پر قبضہ کرنے کے لئے مجھے جابر شاہ سے بیاہ دیا جائے لیکن ابا نہیں مانتے تھے مگر اب یکایک ابا مان گئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہیں میرے جوڑ کا اور کوئی رشتہ ہے ہی نہیں سو....."

"نہیں دریہ! یہ نہیں ہو سکتا۔ میں ابھی اسی وقت آپ سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

اور تب ہی دریہ نے کہا تھا کہ شاید وہ اس پر ترس کھا رہے ہیں۔ تب ہی تو وہ جھنجھلا گئے تھے اور وہ سب کچھ بھی کہہ دیا تھا جو وہ ابھی اس سے نہیں کہنا چاہتے تھے۔

"بابا ضرور اس کا کوئی نہ کوئی حل ڈھونڈ لیں گے۔" گھر کی طرف جاتے ہوئے انہوں نے اس سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

"میں آج رات ہی بابا سے بات کروں گا۔" گھر در یہ جاتی تھی کہ شاید بابا تسلی ہے تب ہی تو بار بار اس کی آنکھیں بھیگ جاتیں وہ بار بار انہیں صاف کرتی اور بار بار اس کی پلکوں کے کناروں پر آنسو موتیوں کی طرح اٹک جاتے اور اپنے دل پر ضبط کے پہرے بٹھائے طیب خان خاموشی سے ڈرائیو کرتے رہے ورنہ دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ اسٹیئرنگ چھوڑ کر اسے بانہوں میں بھر لیں اور اس کے سارے آنسو اپنے لبوں سے چن لیں۔

"پلیز دریہ! حوصلہ کریں۔ بڑے ابا گھبرا جائیں گے۔"

گھر کے پورچ میں گاڑی کھڑی کرتے ہوئے انہوں نے دریہ سے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا لیکن بڑے ابا کے بڑھے ہوئے بازوؤں میں سماتے ہوئے اس کا ضبط ساتھ چھوڑ بیٹھا اور وہ طیب کی ہدایت بھی بھول گئی۔

"ارے بیٹا! بس۔ بس۔" اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے بڑے ابا نے اسے بہلایا۔

"محفوظ بھلا روک سکتا ہے تمہیں آنے سے بھلا کیسے۔ میں خود جاؤں گا اس کے پاس منت کروں گا اس کی ہاں۔"

وہ روتے روتے مسکرائے اور انہوں نے اپنی انگلی کی پوروں سے اس کے آنسو پونچھنے لگے۔ لیکن اس محبت پر تو آنسو اور بھی روانی سے بہنے لگے تھے اور روتے روتے اس نے سب کچھ کہہ دیا۔

"نہیں بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔" بڑے ابا ڈھے سے گئے۔

"جابر سے..... جابر خان سے..... میں یہ ظلم نہیں کرنے دوں گا محفوظ کو۔ خود جاؤں گا اس کے پاس منت کروں گا اس کی..... اور....."

"بڑے ابا پلیز، ریلیکس!"

انہیں کپکپاتے دیکھ کر طیب خان نے سنبھال کر انہیں لٹایا۔ دریہ مسلسل روتی رہی اور حفیظ چاچو نے اسے تسلی دی کہ ان کے ہوتے یہ نہیں ہو سکتا۔ وہ صبح ہی جا کر محفوظ سے بات کریں گے اور دریہ کو سکون آور گولی کھلا کر اسے کمرے میں سلا دیا۔

اور ان کے جانے کے بعد بڑے ابا نے حسرت سے ہاتھ ملے۔ آج بڑی شدت سے انہیں پوتے کی کمی محسوس ہوئی تھی۔

"اور اگر آج اس گھر میں کوئی لڑکا ہوتا تو میں ابھی نکاح پڑھوا دیتا دریہ کا اور پھر دیکھتا کیا کرتا ہے محفوظ شاہ۔"

اور اس گھر میں ایک لڑکے کی کتنی شدید ضرورت تھی۔ انہوں نے آہستگی سے کہتے ہوئے آنکھیں موند کر تکیے پر سر رکھا تو طیب خان نے بے اختیار آگے بڑھ کر ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے گزارش کی۔

"بڑے ابا! میں..... میں جو ہوں..... میں بھی تو آپ کا پوتا ہوں۔ آپ کے جمال خان کا بیٹا۔ کیا آپ مجھے غیر سمجھتے ہیں بڑے ابا۔ اگر آپ مجھے دریہ کے قابل سمجھیں تو میں حاضر ہوں۔ یوں بھی میں سوچ رہا تھا کہ میں بابا سے کہوں کہ وہ آپ سے دریہ کے لئے بات کریں۔"

ان کا سر جھکا ہوا تھا لیکن ان کے لہجے میں جو اشتیاق چھپا تھا اس نے بڑے ابا کو چونکا دیا اور وہ لیٹے لیٹے اٹھ بیٹھے۔

"لیکن، یہ کیسے ممکن ہے؟" انہوں نے زیرِ لب کہا۔

"کیوں بڑے ابا! کیوں ممکن نہیں۔ کیا آپ مجھے دریہ کے قابل نہیں سمجھ سکتے۔" طیب کی آواز میں تڑپ تھی۔

"نہیں ایسا تو نہیں۔" انہوں نے طیب خان کے سراپے کا جائزہ لیا۔ اور سوچا اس جیسا لائق فائق لڑکا تو کسی خوش نصیب کا ہی نصیب ہو سکتا ہے اور کاش۔

"پھر.....؟" طیب خان کی سوالیہ نظریں ان کی طرف اٹھیں۔

"جمال خان مجھے حفیظ اور منیر سے کم عزیز نہیں ہے اور اس کی نسبت سے تم بھی۔ لیکن بیٹا جمال خان سادات میں سے نہیں اور ہم سید لوگ غیر سیدوں میں بیٹیاں نہیں بیاہتے چاہے ابنارمل اور مخبوط الحواس لوگوں سے بیاہ دیں۔"

انہوں نے چاہا کہ وہ کہیں لیکن حدِ ادب مانع تھی۔ یکایک وہ اس "النور" میں اجنبی ہو گئے تھے۔ بالکل غیر۔ اور ان کے دل میں اندھیرا سا اتر آیا تھا۔ لحظہ بہ لحظہ بڑھتا ہوا۔ ان کی آنکھوں کی روشنی ماند پڑ گئی اور چہرے کی چمک بجھ سی گئی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے تک یہ گھر اس کے مکین سب کتنے اپنے اپنے تھے اور دریہ کو ہاسٹل سے گھر لاتے ہوئے راستے میں انہوں نے کتنی سرخوشی سے کہا تھا۔

"دریہ میں جب یہاں آیا تھا تو اکیلا تھا' بابا کے سوا میرا کوئی نہیں تھا اور اب مالا مال ہوں۔ مجھے اتنے بہت سارے رشتے ہی نہیں ملے میں نے تمہاری محبت بھی پائی ہے۔" اور اب سب پرائے ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ بڑے ابا بھی جن کی کھوجتی نظریں انہیں اپنے اندر اترتی محسوس ہو رہی تھیں اور جن کے متعلق بابا نے بار بار کہا تھا کہ ان کا بہت احترام کرنا اور

UrduPhoto.com

جو اس گھر کے مکینوں میں سب سے زیادہ اس کے قریب تھے۔

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ تو کیا اپنے پپا کی طرح وہ بھی ساری زندگی یونہی ایک تصور کے سہارے کاٹ دیں گے لیکن شاید ان میں پپا جیسا حوصلہ نہ تھا۔ انہیں لگا وہ دریہ کے بغیر زندگی کا سفر طے نہ کر پائیں گے۔ چند دنوں میں انہوں نے کتنے فاصلے پاٹ لیے تھے۔ مگر نہیں ۔۔۔

ان کی بجھی ہوئی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔ وہ دریہ سے بات کریں گے۔ وہ پڑھی لکھی سمجھ دار لڑکی ہے۔ اپنا برا بھلا سمجھتی ہے۔

ایک ابنارمل شخص کے ساتھ زندگی گزارنے سے تو بہتر ہے کہ وہ یقیناً "اسے قائل کر لیں گے اور اگر وہ مان گئی تو وہ اس سے کورٹ میرج کر لیں گے۔ وہ آج سے تیس سال پہلے کی نور الہدیٰ نہیں ہے جو خود کو قربان کر دے اور نہ ہی وہ جمال خان ہیں جو چپ چاپ ملک بدر ہو جائیں۔ وہ طیب خان ہیں۔ آج کے دور کے۔

اور بڑے ابا جو بڑی دیر سے ان کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھے جیسے ان کے اندر جھانک رہے تھے اور جیسے انہوں نے ان کی آنکھوں میں کسی ارادے کی چمک کو ابھرتے بھی دیکھا تھا کہ ان کے جاتے ہی انہوں نے گلاب دین کو آواز دی۔

"گلاب دین کارڈلیس مجھے دو اور جمال خان سے کال ملاؤ۔"

♥ ♡ ♡ ♥

ریسیور کریڈل پر ڈال کر جمال خان اپنے بیڈ پر گر سے گئے۔ ان کی آنکھوں میں بے تحاشا جلن تھی اور دل جیسے ریزہ ریزہ ہو کر فضاؤں میں بکھر رہا تھا۔

"انہوں نے بے دردی سے آنکھوں کو مسل ڈالا۔ لیکن آنسو کہیں نہ تھا۔ ہاں تپش تھی۔ ایک آگ تھی جو جسم و جاں کو جلائے جاتی تھی۔ وہ آنسو جو ان کے اندر گر رہے تھے۔

وہ بہت جلا دینے والے اور گرم تھے لیکن آنکھیں خشک صحرا بنی ہوئی تھیں حالانکہ وہ رونا چاہتے تھے چیخ چیخ کر اونچی آواز میں دیواروں سے سر ٹکرا کر اس زیاں پر اس نقصان پر اس ہستی کی موت پر جسے انہوں نے دنیا میں سب سے زیادہ چاہا۔ اس خوبصورت اور دلنشین چہرے کے تہہ خاک چھپ جانے پر جس کی شبیہہ برسوں سے ان کے دل پر نقش تھی۔

اور نور تم تو بہت کم حوصلہ نکلیں۔ اتنی جلدی ہار گئیں حالانکہ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تم خوش رہو گی۔ خوش رہنے کی کوشش کرو گی اور میں نے تیس سالوں میں سوائے تمہاری خوشی کے خدا سے اور کچھ نہیں مانگا اور اوپر آسمانوں پر بیٹھا خدا ہنستا ہو گا مجھ پر کہ میں اس کی خوشیوں کی بھیک دن رات اس سے مانگتا ہوں جو دنیاوی خوشیوں سے آزاد ہو گئی ہے۔

نور تم ۔۔۔۔ جہاں بھی رہتیں زندہ رہتیں خوش نہیں تو میں بھی اس یقین کے سہارے جی لیتا کہ تم زندہ ہو خوش ہو اور اس دنیا میں ان ہی ہواؤں میں [illegible]

انہوں نے [illegible] دونوں ہاتھوں میں زور سے بھینچا۔ دل جیسے پھٹ جانے کو تھا۔ جیسے نور نے اٹھارہ سال پہلے انہیں ابھی ابھی آنکھیں بند کی ہوں اور اٹھائیس سال پہلے کی وہ شام جیسے ان کی آنکھوں کے سامنے زندہ ہو گئی۔

النور کے سیاہ آہنی گیٹ پر ہاتھ رکھے وہ مسلسل نور کو تکے جا رہے تھے جو دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ اس کی لانبی پلکوں والی کشادہ آنکھیں خون رنگ ہو رہی تھیں اور اس کے بھیگے بھیگے گلابی ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ دونوں خاموش تھے اور دونوں کے دل ہمیشہ کے لیے بچھڑ جانے کے دکھ سے بوجھل تھے۔

"خدا حافظ نور!"

بالآخر جھک کر انہوں نے اپنے قدموں کے پاس پڑا ہوا بریف کیس اٹھایا تھا۔ نور الہدیٰ کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ شاید اس نے بھی انہیں خدا حافظ کہا تھا لیکن اس کی آواز نہیں نکلی تھی۔

"اپنا خیال رکھنا نور! اور مجھے بھولنے کی کوشش

کرنا۔ وہ سب کچھ جو ہمارے درمیان تھا اسے محض ایک وہم ایک تصور جان لینا۔"

"اور کیا یہ ممکن ہے؟" نور الہدیٰ نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"ہاں ممکن تو نہیں لیکن کوشش تو کی جا سکتی ہے نا۔"

النور کے مکین ابھی سو رہے تھے اور سورج نے ابھی مشرقی افق سے سر نکالا تھا اس کی پہلی کرنوں کو انہوں نے "النور" کے گیٹ کے اوپر سے دیکھا۔ اور آج کے بعد شاید وہ کبھی یہ گیٹ عبور نہ کر سکیں۔ یہ گیٹ جس سے وہ بچپن سے آ اور جا رہے تھے اسی بے تکلفی سے جس بے تکلفی سے منیر شاہ اور حفیظ شاہ آتے جاتے تھے۔

"النور" کے گیٹ پر ہاتھ دھرے دھرے انہوں نے اندر دور تک نظر دوڑائی تھی۔ لان سے لان سے پرے پورچ اور پورچ کی سیڑھیاں چڑھ کر برآمدہ اور برآمدے کی [illegible] میں بڑا سا خوبصورت لکڑی کا منقش دروازہ جو اندر ڈرائنگ روم میں کھلتا تھا۔ ایک لمحے کو ان کا جی چاہا وہ بریف کیس رکھ کر بھاگتے ہوئے اندر جائیں اور سب سے خوب بھینچ بھینچ کر گلے ملیں۔

بڑی امی کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ حفیظ جو بھائیوں سے بڑھ کر دوستوں جیسا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے انہوں نے گیٹ پر دھرا ہاتھ اٹھا لیا۔

بڑے ابا نے کہا تھا "بہتر ہے کہ تم کسی سے ملے بنا خاموشی سے چلے جاؤ۔ ورنہ یہ لوگ تمہیں جانے نہ دیں گے اور جانے کی اجازت دے بھی دی تو وجہ پوچھیں گے تب کیا بتاؤ گے۔ تب ہی تو انہوں نے بڑی خاموشی سے صبح کی نماز پڑھ کر اپنا بریف کیس اٹھایا تھا لیکن نور الہدیٰ کو جانے کیسے خبر ہو گئی تھی کہ وہ اس وقت جا رہے ہیں۔ وہ لان میں بچھی چیئر پر نہ جانے کب سے بیٹھی تھی شاید ان کے انتظار میں۔ انہیں آخری بار ایک نظر دیکھ لینے کے لیے۔

"نور! آپ یہاں اس وقت؟"

نور نے کچھ نہیں کہا تھا لیکن وہ سب جان گئے تھے۔

"خدا حافظ نور!"

انہوں نے ایک بار پھر زیر لب کہا تھا اور یکدم ہی رخ موڑ لیا تھا۔ انہیں لگا تھا جیسے اس سے وہ نور کے چہرے پر نگاہ نہ ڈال سکیں گے۔ اگر انہوں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ لیا تو وہ اس کے دکھ سے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ تڑخ جائیں گے وہ دکھ جو اس کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ بہہ رہا تھا۔ اپنے پیچھے انہیں قدموں کی چاپ سنائی دی تھی اور وہ پیچھے دیکھے بغیر جان سکتے تھے کہ نور کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ ہے۔ کتنی ہی دیر وہ یونہی پیٹھ موڑے کھڑے رہے۔ انہیں لگا جیسے ان کا جسم پتھر کا ہو گیا ہے اور جیسے وہ ایک قدم بھی آگے نہ اٹھا پائیں گے۔ جیسے زمین نے ان کے پاؤں جکڑ لیے ہوں۔ پتا نہیں کتنی دیر اسی کیفیت میں گزر گئی۔ پھر ہمت کر کے انہوں نے رخ موڑا۔ اوھ کھلے گیٹ سے دور تک کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ کہیں کوئی نہ تھا اور جا چکی تھی۔ انہوں نے ہولے سے آگے بڑھ کر گیٹ بند کر لیا۔ گویا النور کا گیٹ نہیں زندگی کے دروازے ان پر بند ہو گئے تھے اور برسوں پہلے اسی گیٹ نے انہیں زندگی کی نوید دی تھی۔ جب وہ بڑے ابا عباس علی شاہ کی انگلی تھامے تھے سے اس گیٹ سے اندر داخل ہوئے تھے۔

"یہ جمال خان ہے۔"

بڑے ابا نے پانچ سالہ جمال خان کو بڑی امی کی گود میں ڈال دیا تھا۔ "اور آج سے یہ آپ کا بیٹا ہے۔ آپ سمجھیے گا منیر حفیظ اور جمال تین بیٹے ہیں آپ کے۔ کمال خان ہمارا جگری یار تھا۔"

اور بڑی امی نے انہیں یوں اپنی گود میں سمیٹا تھا جیسے سچ مچ انہوں نے ان ہی کی کوکھ سے جنم لیا ہو اور انہیں یاد بھی نہیں رہا تھا کہ ان کے والدین کون تھے۔

کبھی کبھی بڑے ابا انہیں یاد کرتے ہوئے اداس ہو جاتے۔ ایک حادثے میں کمال خان اور ان کی بیوی دونوں ہی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور چونکہ دور دور قریب کا کوئی ایسا عزیز نہ تھا جو جمال خان کے سر پر ہاتھ

رکھتا اس لئے عباس علی شاہ انہیں اپنے ساتھ "النور" میں لے آئے تھے اور "النور" کے مکینوں نے انہیں کسی محرومی، کسی کمی کا احساس نہ ہونے دیا تھا۔

بڑے ابا عباس علی شاہ کے تو خیر وہ دوست کے بیٹے تھے، لیکن چھوٹے ابا بھی انہیں کم نہ چاہتے تھے۔ النور میں عباس علی شاہ اور ان کے چھوٹے بھائی رہتے تھے حیدر علی شاہ۔ عباس علی شاہ کو سب بچے بڑے ابا اور حیدر علی شاہ کو چھوٹے ابا کہتے تھے۔ اجنبیوں کو تو کیا بعض عزیزوں کو بھی صحیح سے پتا نہ چلتا تھا کہ بڑے ابا کی اولاد کون سی ہے اور چھوٹے ابا کی کون سی۔ وہ بھی سب کی دیکھا دیکھی بڑے ابا اور چھوٹے ابا کہہ کر ہی بلاتے تھے۔ لیکن یہ بڑے ابا کی بڑائی تھی کہ انہوں نے کبھی انہیں ان کی ولدیت سے محروم نہیں کیا تھا۔ ان کے اسکول سرٹیفکیٹس میں اور ہر جگہ ان کے والد کا نام کمال خان ہی لکھا تھا۔ سو وہ اپنی حقیقت سے آشنا تھے لیکن اس آشنائی سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا نہ النور کے مکینوں کے دل میں ان کی محبت کم ہوئی تھی اور نہ ان کے دل میں النور کے مکینوں کے لئے موجود عزت و احترام میں کوئی کمی آئی تھی بلکہ جس روز اپنے اور حفیظ شاہ کے ایڈمیشن فارم میں ولدیت کے خانے میں الگ الگ نام دیکھ کر انہوں نے بڑے ابا سے پوچھا تھا کہ یہ اس کے ایڈمیشن فارم میں ولدیت کے خانے میں سید عباس علی شاہ کی جگہ کمال خان کیوں لکھا ہے اور بڑے ابا نے اسے بتایا تھا کہ اس لئے کہ وہ ان کے جان سے زیادہ عزیز دوست کمال خان کا بیٹا ہے جو ایک دین کے حادثے میں مع اس کی والدہ اور ننھی بہن کے وفات پا گئے تھے تو ان کے دل میں بڑے ابا کا احترام دوچند ہو گیا تھا اور النور کے باسیوں کے لئے ان کے دل میں موجود محبت میں احسان مندی کا جذبہ بھی شامل ہو گیا تھا اور یہ سب لوگ ان کے دل کے اور بھی قریب ہو گئے تھے اور وہ سوچتے تھے کہ کیا وہ ان بے غرض اور بے لوث محبتوں کا قرض کبھی چکا بھی سکیں گے یا نہیں۔

چاکلیٹی۔ آنکھوں اور بے حد سفید رنگت والے

جمال خان نے جب جوانی کی سرحدوں میں قدم رکھا تو ان کی شخصیت میں عجب طرح کا حسن سما گیا تھا۔ باوقار اور سنجیدہ سے جمال خان یونیورسٹی کی کئی لڑکیوں کے دل کی دھڑکن تھے لیکن خود ان کا دل جس لڑکی کو دیکھ کر اپنی بیٹ مس کر دیتا تھا وہ کوئی اور نہیں، نور الہدیٰ تھی۔ بڑے ابا کی لاڈلی اور چہیتی بیٹی۔ پتا نہیں کب اور پتا نہیں کیسے دونوں کے دل ایک ساتھ دھڑکنے لگے تھے۔ شاید اس روز سے جب بڑی امی نے چھوٹی امی سے اپنے دل کی بات کہی تھی۔

"جی چاہتا ہے کہ جمال خان کی شادی نور الہدیٰ سے کردوں اور یوں نور کو ہمیشہ کے لئے اپنے پاس ہی رکھ لوں۔"

اور نور الہدیٰ اتنی سی بات سن کر دروازے سے ہی پلٹ گئی تھی اور اس نے جواب میں چھوٹی امی کی بات نہیں سنی تھی کہ جنہوں نے بڑی حسرت سے کہا تھا۔

"بھلا کیسے ممکن ہے۔ جمال ہمیں جان سے پیارا سہی، کیوں نہ سہی لیکن ابی کا، یا بھلا نور الہدیٰ سے کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم اصلی اور کھرے سید اور وہ مغل پٹھان۔"

اور کاش وہ چھوٹی امی کی بات سن لیتی لیکن اس نے چھوٹی امی کی بات نہیں سنی تھی اور اس کے اندر ایک دیا سا جل اٹھا تھا۔ جمال خان کی محبت کا دیا۔ اور اس رات ٹیرس پر کھڑے جمال خان کو چائے کا کپ دیتے ہوئے بڑی امی کی یہ بات بتا کر اس نے جمال خان کے دل میں بھی یہ دیا جلا دیا تھا اور پھر ہر گزرتے دن کے ساتھ اس دیئے کی لو بڑھتی گئی تھی۔ یہاں تک کہ اندر چراغاں ہو گیا تھا۔ روشنیاں ہی روشنیاں تھیں۔

اور ایسے میں جب جمال خان اور حفیظ شاہ نے ایک ساتھ انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کی تھی تو بڑے ابا نے امی سے کہا تھا کہ حفیظ کے ساتھ وہ جمال کے لئے بھی لڑکی تلاش کریں تاکہ دونوں کی شادیاں ایک ساتھ ہو جائیں اور بڑی امی نے ایک محبت بھری نظر جمال خان پر ڈالتے ہوئے بڑے ابا کو بتایا تھا کہ انہوں

نے جمال خان کے لئے اپنی ایک دیرینہ دوست کی بیٹی مہ وش رزاق کو پسند بھی کر لیا ہے اور اب صرف ان سے اور جمال خان سے بات کرنا باقی ہے۔

اور اس وقت نور الہدیٰ سید کے چہرے پر یکایک جو زردی چھا گئی تھی اس نے بڑے ابا کو ایک دم اپنی طرف متوجہ کیا تھا اور ابھی وہ نور الہدیٰ کے چہرے سے کچھ کھوجنے کی کوشش کر ہی رہے تھے کہ جمال خان اچانک کھڑے ہو گئے تھے۔

"ارے یار! کہاں چلے؟" حفیظ نے ان کی طرف دیکھا۔

"اپنے کمرے میں۔" جمال خان کو خود اپنی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

"لیکن ابھی تو تم خود ہی آؤٹنگ کا پروگرام بنا رہے تھے۔" حفیظ کو حیرت ہوئی۔

"بس ایک دم ہی سر چکرانے لگا ہے۔ شدید درد محسوس ہو رہا ہے۔ پلیز آپ لوگ چلے جاؤ۔" اس نے ٹالنے کی کوشش کی۔

اور تب ہی بڑے ابا نے نور الہدیٰ سید کے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر جمال خان کو دیکھا تھا تو اس کے چہرے پر بھی انہیں وہی زردی دکھائی دی تھی اور پھر جیسے کسی بہت بڑی حقیقت کا ادراک ہوتے ہی وہ مضطرب ہو گئے تھے۔ ان کی نگاہوں نے پھر نور الہدیٰ کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ اس کے چہرے پر صرف زردی ہی نہیں چھائی تھی بلکہ اس کی آنکھیں بھی نم ہو رہی تھیں اور وہ نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبائے ضبط کی انتہائی منزلوں سے گزر رہی تھی اور پھر وہ یکدم ہی اٹھی تھی اور بغیر کچھ کہے تیزی سے لاؤنج سے باہر نکل گئی تھی۔ بڑے ابا کے علاوہ سب نے ہی اسے حیرت سے باہر جاتے دیکھا تھا اور حفیظ شاہ نے اسے آواز بھی دی تھی۔

"نور۔" لیکن نور الہدیٰ نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

"یہ نور کو کیا ہوا ایک دم؟" حفیظ نے بڑی امی سے پوچھا اور پھر خود ہی اٹھ کر نور کے پیچھے چلے گئے تھے لیکن بڑے ابا وہاں ہی بیٹھے کچھ سوچتے رہے تھے اور بہت دیر بعد جب وہ اٹھے تو اپنے کمرے کی طرف جانے کے بجائے ان کے کمرے میں چلے گئے۔ وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے از حد پریشان بیٹھے تھے۔

"جمال!" بڑے ابا کی آواز پر وہ چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بڑے ابا آپ۔"

"بیٹھ جاؤ۔ مجھے تم سے کوئی بات کرنا ہے۔"

بڑے ابا بے حد سنجیدہ تھے۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئے اور بڑے ابا نے ان کے بالمقابل بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"جمال! مجھے ایک بات بتاؤ بیٹا بالکل سچ بتانا۔ پوری ایمانداری سے۔ کیا تم نور کو۔ میرا مطلب ہے کیا تم نور سے شادی کرنا چاہتے ہو؟"

"جی بڑے ابا!" انہوں نے سر جھکا لیا۔

"اور۔ اور کیا نور بھی ایسا ہی چاہتی ہے؟"

"جی بڑے ابا۔" ان کا سر مزید جھک گیا۔

"اور اگر میں یہ کہوں کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ کسی صورت بھی نہیں تو؟"

تب انہوں نے تڑپ کر سر اٹھایا تھا اور بڑے کرب سے بے اختیار پوچھ بیٹھے تھے۔ "کیوں.... کیوں ممکن نہیں ہے؟"

"اس لئے کہ ہم سید ہیں اور تم سید نہیں ہو۔ باوجود اس کے کہ دونوں تم اور نور مجھے دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر عزیز ہو، یہ ممکن نہیں کسی صورت بھی نہیں۔"

نور سے بچھڑ جانے، اسے نہ پا سکنے کا خیال اتنا اذیت ناک تھا کہ انہوں نے بے اختیار التجا کی۔

"بڑے ابا! مجھے آپ نے پالا ہے۔ میری ذات، میرا وجود، میرا کردار، سب کچھ آپ کے سامنے ہے۔"

"مجھے تم پر فخر ہے۔ تمہارے اخلاق و کردار پر تمہاری شخصیت پر لیکن اس کے باوجود یہ ممکن نہیں ہے۔ تمہاری اور نور کی شادی۔"

UrduPhoto.com

اور اس سے جو ٹوٹ پھوٹ ان کے اندر ہو رہی تھی اور جس کرب و اذیت سے وہ گزر رہے تھے اس کا اندازہ بڑے ابا کو ہو گیا تھا۔ تب ہی تو انہوں نے ان سے وہ مانگ لیا جسے دے کر وہ بالکل ہی تہی داماں ہو گئے تھے۔

"بیٹا! میں نے تمہیں پالا، ہم سب نے تمہیں اس طرح چاہا جس طرح منیر اور حفیظ اور نور کو چاہا۔ تمہاری ذرا سی تکلیف پر اس طرح بے چین ہوئے جیسے تم ہمارے اپنے وجود کا حصہ ہو۔ یہ سب کسی صلے کے لئے نہیں کیا تھا ہم نے لیکن اس وقت آج اس کے بدلے میں ہم اگر آپ سے کچھ مانگیں تو کیا آپ دیں گے؟"

وہ جو کرب و اذیت کو برداشت کرتے ہوئے ضبط کی انتہاؤں پر تھے یکدم اپنی جگہ سے اٹھے اور بڑے ابا کے قدموں میں بیٹھ گئے۔

"بڑے ابا آپ جان مانگیے۔ آپ کہئے تو میں اپنے ہاتھوں سے اپنا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں رکھ دیتا ہوں۔ ان محبتوں اور شفقتوں کا جو النور میں مجھے ملیں کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔ بڑے ابا حتیٰ کہ میری یہ جان بھی نہیں۔ پھر بھی آپ کہیے۔"

"آپ یہاں سے چلے جاؤ جمال! آپ یہاں رہو گے تو آپ کے لئے اور نور کے لئے دونوں کے لئے ہی مشکل ہو گی۔"

"جی بڑے ابا......!" انہوں نے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

نور ہی نہیں "النور" کے ہر فرد کی محبتوں اور شفقتوں کو ان سے چھین لیا تھا بڑے ابا نے۔ ان کی آنکھیں سمندر بن گئی تھیں۔

"میں مجبور ہوں بیٹا! میری مجبوری سمجھنا۔"

بڑے ابا نے ان کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔

اور ان کے ہاتھوں کی واضح لرزش جمال خان نے محسوس کی تھی اور پھر بڑی مضبوطی سے ان کے ہاتھ تھام لئے تھے۔

"اور کبھی لوٹ کر مت آنا۔" انہوں نے بمشکل کہا تھا اور کھڑے ہو گئے تھے۔

"بڑے ابا!" ضبط کی لگامیں ہاتھوں سے چھوٹیں تو آنکھیں برس پڑیں تب انہوں نے بے اختیار بازو پھیلا دیئے اور کتنی ہی دیر تک وہ ان کے سینے سے لگے رہے۔

"مجھے یقین ہے کہ تم بہت جلد اس دکھ کے حصار سے نکل آؤ گے۔" بڑے ابا نے انہیں خود سے الگ کرتے ہوئے آہستگی سے کہا تھا۔

لیکن وہ تو اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود بھی اس دکھ کے حصار سے نہیں نکل سکے تھے۔ نور الہدیٰ کی چاہت، اس کی محبت، اس کی یادیں ہی زندگی بھر کا سرمایہ تھیں۔

گو بڑے ابا نے کراچی میں نہ صرف ان کی رہائش کا بندوبست کر دیا تھا بلکہ جاب کا بھی انتظام بڑے ابا کے دوست نے جلد ہی کر دیا تھا لیکن انہوں النور چھوڑا تو پھر کہیں دل نہ لگا اور کچھ عرصے بعد مختلف عرب ریاستوں میں رہنے کے بعد وہ امریکہ منتقل ہو گئے اور وہاں ہی انہیں حفیظ شاہ ملا تھا۔ اچانک ایک شام وہ ایک سپر اسٹور سے باہر نکل رہے تھے کہ وہ ان سے ٹکرا گیا۔

"ظالم، بے درد، بے وفا۔"

کتنے ہی القاب دے ڈالے تھے حفیظ شاہ نے۔

"کوئی یوں بھی کرتا ہے اس طرح۔ تم تو ہمارے اپنے تھے جمال خان! پھر ہمیں کیوں چھوڑ دیا اس طرح۔ تم جانتے ہو بڑی امی، چھوٹی امی، چھوٹے ابا، بڑے ابا سب تمہیں کتنا یاد کرتے ہیں۔ تم النور سے نکل آئے تھے لیکن کیا ہمارے دلوں سے بھی نکل سکتے تھے۔ رشتے صرف خون کے تو نہیں ہوتے جمال خان، تم تو ہمارے اپنے تھے ہم نے تمہیں کبھی خود سے الگ نہیں جانا تھا۔"

اور انہوں نے حفیظ شاہ کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا لیکن زبردستی انہیں اپنے اپارٹمنٹ میں لے آئے تھے۔

"اور تم نے ہمیں کیوں چھوڑا اچانک؟"

حفیظ نے بار بار پوچھا تو تب انہوں نے بہت دل گرفتگی سے حفیظ کے ہاتھ تھامتے ہوئے التجا کی۔

"اس ایک سوال کا جواب مجھ سے مت پوچھو حفیظ! اور جو جی چاہے مرضی کہہ لو۔ لیکن ایک بات یاد رکھو اگر "النور" کے مکینوں کے دلوں میں، میں موجود ہوں تو میرے دل میں بھی "النور" پورے کا پورا بسا ہوا ہے۔ میں اس سے کبھی باہر نہیں نکلا حفیظ۔ جس روز "النور" میرے دل سے نکل گیا اس روز شاید میں بھی نہ رہوں۔"

اور حفیظ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئے تھے اور حفیظ سے انہیں پتا چلا تھا کہ نور الہدیٰ کی شادی ہو گئی ہے لیکن بدنصیبی سے اس کے سسرال والے اچھے نہیں ہیں اور اس کا میاں ایک اجڈ اور جنگلی شخص ہے اور نور کے متعلق بتاتے ہوئے جو کرب حفیظ کے لہجے سے جھلک رہا تھا اس کی اذیت جس طرح جمال خان کے چہرے پر اتر آئی تھی اور جس طرح انہوں نے اضطراب اور بے چینی سے اپنی انگلیاں مروڑی تھیں اس نے حفیظ سے کچھ ضرور کہا تھا کہ پھر جتنا عرصہ بھی حفیظ یہاں رہے انہوں نے کبھی جمال خان سے "النور" چھوڑنے کی وجہ نہیں پوچھی تھی۔ گو حفیظ شاہ نے گرین کارڈ کے حصول کے لئے ایک امریکن لڑکی میری سے شادی کر لی تھی لیکن پھر اس کا دل وہاں نہیں لگا تھا اور وہ گرین کارڈ ملنے سے پہلے ہی میری سے علیحدگی حاصل کر کے واپس پاکستان چلا گیا تھا۔

اور حفیظ کے جانے کے بعد بہت سارے دن وہ بے حد اداس رہے تھے۔ اس روز بھی وہ بے حد اداس سے بیٹھے ٹی وی کے مختلف چینل بدل بدل کر دیکھ رہے تھے کہ میری آ گئی۔

وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئے کیونکہ جب سے حفیظ گئے تھے میری کبھی نہیں آئی تھی۔ حفیظ نے بحیثیت بھائی ہی ان کا تعارف کروایا تھا۔

"یہ حفیظ کا بیٹا ہے۔"

اس نے دو تین ماہ کا بچہ ان کی گود میں ڈال دیا۔ گلابی کمبل میں لپٹا اپنی آنکھیں کھولے انہیں دیکھتا ہوا سیاہ بالوں اور سیاہ آنکھوں والا یہ بچہ اپنے اندر حفیظ شاہ کی بہت ساری شباہت چھپا لایا تھا۔ بے اختیار اس کے رخساروں پر پیار کرتے ہوئے انہوں نے میری کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"یہ تمہارے بھائی کا بیٹا ہے۔ اسے سنبھالو۔ میں ایک تھیٹر میں ملازم ہو کر جرمنی جا رہی ہوں۔ یہ چلتا پھرتا تھیٹر ہے۔ کبھی یہاں، کبھی وہاں، میں اسے نہیں رکھ سکتی۔"

"لیکن میں...... میں بھلا اسے کیسے سنبھالوں گا؟" وہ حیرت زدہ سے اسے گود میں لئے کھڑے تھے۔

"اگر نہیں سنبھال سکتے تو پاکستان بھجوا دو یا کسی نرسری میں دے دو۔"

"او کے۔"

آن کی آن انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اسے رکھ لیں گے۔ وہ حفیظ کا بیٹا تھا۔ بڑے ابا کا خون تھا۔ بڑے ابا جو اس وقت ان کی انگلی تھامے "النور" میں لائے تھے جب بھری دنیا میں وہ اکیلے رہ گئے تھے اور شاید خدا نے مجھے موقع دیا ہے کہ میں ان محبتوں کا کچھ قرض ادا کر سکوں جو "النور" کے مکینوں نے مجھے دی تھیں۔

"لیکن مجھے قانونی طور پر اس کا پروف چاہئے کہ تم نے یہ بچہ اپنی خوشی اور مرضی سے دیا ہے اور تم اس پر اب کوئی حق نہیں رکھو گی۔"

"او کے ہو جائے گا یہ بھی۔"

اور پھر وہ کتنا تھکے تھے۔ ایک ماں کی طرح راتوں کو اٹھ اٹھ کر اس کی نیپیاں چینج کی تھیں۔ شروع شروع میں کتنا مشکل تھا یہ سب کچھ۔ اسے سنبھالنا، جاب پر جانا، گو آفس جاتے ہوئے وہ اسے ایک نرسری میں چھوڑ جاتے تھے پھر بھی رات کو جاگنے کی وجہ سے وہ اکثر لیٹ ہو جاتے تھے۔ یوں ان کی یہ جاب چھوٹ گئی تھی۔ مگر ہولے ہولے انہوں نے سب ٹھیک کر لیا تھا۔ اور ٹیکساس..... چھوڑ کر نیو جرسی چلے گئے تھے اور پھر کچھ عرصے بعد واشنگٹن آ گئے تھے اور ابھی تک یہاں ہی تھے اور اب جبکہ طیب خان اپنی تعلیم ختم

کرکے ان کے آفس میں ہی ایک بہت اچھی جاب کر رہے تھے اور وہ ان کی شادی کا سوچ رہے تھے کہ ایک دن اچانک ہی انہیں ٹیوب اسٹیشن پر غفار خان نظر آ گئے۔ غفار خان بڑے ابا کے وہ دوست جن کے پاس بڑے ابا نے کراچی انہیں بھیجا تھا۔ غفار خان تو انہیں نہ پہچان سکے لیکن انہوں نے پہچان لیا تھا۔ غفار خان نے بتایا کہ پچھلے سال انہوں نے بائی پاس کروایا تھا اور اس سال وہ چیک اپ کے لئے آئے تھے۔ تب وہ بہت دیر تک ان سے بڑے ابا کے متعلق پوچھتے رہے۔ "پچھلے سال ملاقات ہوئی تھی۔ بہت کمزور اور بوڑھے ہو گئے ہیں۔" غفار خان نے بتایا۔ "لیکن فون پر بات ہوتی رہتی ہے۔"

اور تب نہ جانے کس خیال کے تحت انہوں نے غفار خان سے بڑے ابا کا نمبر لے لیا تھا اور پھر ایک رات جب جمال اپنے بیڈ روم میں تھا۔ وہ بے اختیار ہی "النور" کا نمبر ملا بیٹھے تھے اور یہ اتفاق ہی تھا کہ بڑے ابا نے ہی ریسیو کیا۔

"جمال خان!" بڑے ابا کی آواز میں آنسو گھل گئے۔ "تم تو ایسے گئے کہ پلٹ کر خبر ہی نہ لی۔"

"آپ کا ہی حکم تھا' کیسے سرتابی کرتا۔"

انہوں نے اپنی سسکی بمشکل روکی تھی۔ اور پھر بڑے ابا نے سب کے متعلق بتایا تھا اور اسی روز انہیں پتا چلا تھا کہ بڑے ابا کو ایک پوتے کی کتنی خواہش تھی۔

"النور" کا وارث نہیں ہے' جمال خان!"

"بیٹیاں بھی تو وارث ہی ہوتی ہیں' بڑے ابا۔"

انہوں نے طیب کے متعلق سوچتے ہوئے آہستگی سے کہا تھا۔

"بیٹا! ایک بار آ کر مل جاؤ۔ بہت تڑپتا ہوں تمہارے لئے۔"

"جی بڑے ابا۔ تڑپتا تو میں بھی بہت ہوں۔" انہوں نے بمشکل اپنے آنسوؤں کو بہنے سے روکا تھا۔

اور طیب کے متعلق جان کر بڑے ابا کو بے حد خوشی ہوئی تھی۔

"ارے کیسا ہے میرا پوتا؟" کتنی حسرت تھی ان کے لہجے میں' کیسی خواہش تھی۔

اس رات دیر تک جمال خان جاگتے رہے تھے۔

طیب خان بڑے ابا کا پوتا ہے اور بڑے ابا ترس رہے ہیں۔ اور ساری رات وہ سوچتے رہے کہ طیب کی صورت "النور" کو اس کا وارث لوٹا دیں۔ لیکن پھر جیسے کوئی دل کو مٹھی میں لے لیتا۔

"اور ان کے پاس کیا رہ جائے گا۔"

ساری عمر کی ریاضتوں کے بعد وہ خالی ہاتھ رہ جائیں گے اور کیسے جی پائیں گے اس کے بغیر۔ کیسے زندہ رہیں گے۔

لیکن طیب النور کا وارث ہے اور بڑے ابا کی آنکھیں پوتے کا انتظار کرتے کرتے تھک گئی ہیں۔ اس سے پہلے کہ یہ آنکھیں بند ہو جائیں اور صبح ہونے تک وہ طیب کو پاکستان بھیجنے کا فیصلہ کر چکے تھے لیکن انہوں نے سوچا تھا کہ وہ طیب کو یا بڑے ابا کو ابھی کچھ نہیں بتائیں گے۔ خود کو بھی تو دیکھنا تھا' آزمانا تھا کہ وہ طیب کے بغیر کیسے رہ پاتے ہیں اور طیب کو بھی ایڈجسٹ کر پائے گا یا نہیں۔ وہ دونوں باپ بیٹا ہی نہیں دوست بھی تھے۔ اور طیب کو پاکستان بھیج کر پل پل انہیں احساس ہوا تھا کہ طیب کے بغیر زندگی کے سارے رنگ پھیکے ہو گئے ہیں اور جینے کا مزا جاتا رہا ہے۔ طیب تھا تو یادیں بھی اتنا تنگ نہ کرتی تھیں۔ فیصلہ کرنے کے بعد انہوں نے بڑے ابا کو فون کیا تھا۔

"بڑے ابا! اپنے بیٹے کو پاکستان بھیج رہا ہوں آپ کے پاس ملنے کے لئے۔"

"اور تم... تم کیوں نہیں آتے خود جمال! ایک بار اپنی شکل دکھا جاؤ۔"

"بڑے ابا جو دروازے میرے لئے بند ہو گئے تھے وہ بند ہی رہیں تو اچھا ہے کہیں میں ضبط کھو نہ بیٹھوں۔"

اور باوجود کوشش کے بڑے ابا کی ہمت نہ ہوئی تھی کہ وہ انہیں نور کے متعلق بتائیں۔ انہیں کہیں اب تو کسی احتیاط کی ضرورت نہیں۔ وہ ہستی ہی نہیں رہی

جس کے لئے انہوں نے پیش بندی کی تھی۔ لیکن آج... آج بڑے ابا نے یہ کیا کہہ دیا تھا۔ نور کو تو دنیا چھوڑے برسوں بیت گئے۔ "لیکن تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے' جمال خان۔ میں نے طیب کی آنکھوں میں دریہ کے لئے جن جذبوں کی آنچ دیکھی ہے اس سے پہلے کہ یہ جذبے بھڑکتی آگ بن جائیں طیب کو واپس بلا لو۔ اس سے پہلے کہ جو کونپل اس کے دل میں پھوٹی ہے وہ تناور درخت بن جائے جمال خان اپنے بیٹے کو اس آگ میں جلنے سے بچا لو' جس میں ساری عمر تم جلے ہو۔ جس نے نور کو اندر ہی اندر کھا لیا۔"

"لیکن تاریخ اپنے آپ کو نہیں دہرا رہی' بڑے ابا!"

انہوں نے ہاتھوں کی پشت سے چہرہ صاف کرتے ہوئے زیر لب کہا اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"اس بار کہانی مختلف ہے کہ طیب خان' حفیظ شاہ کا بیٹا ہے' جمال خان کا نہیں لیکن شاید تاریخ اپنے آپ کو دہرا لے گی ہی۔"

انہوں نے ہاتھ بڑھا کر فون اپنی طرف کھینچا۔ تب ہی بیل بج اٹھی۔ دوسری طرف طیب تھے۔

"پاپا!" ان کی آواز میں وہ ہمیشہ والی کھنک نہ تھی۔

"کیا ہوا جان پاپا۔"

"پاپا! میں پرسوں کی فلائٹ سے واپس آ رہا ہوں۔"

"لیکن تمہیں تو ابھی ایک ہفتے اور رکنا تھا بیٹا!"

"ہاں لیکن میں... میں دریہ کا سامنا نہیں کر سکتا۔ میں نے اس سے پرامس کیا تھا پاپا کہ اسے بچا لوں گا۔ پاپا اس کا ظالم باپ اس کی شادی ایک مخبوط الحواس شخص سے کر رہا ہے۔ پاپا یو نو دریہ کون ہے؟ نور الہدیٰ شاہ کی بیٹی جس سے آپ نے محبت کی اور جس کی خاطر جلا وطن ہوئے۔ پاپا آج میں آپ کا دکھ محسوس کر رہا ہوں بالکل ایسے ہی جیسے یہ میرا اپنا دکھ ہو۔ پاپا I am fell in love with her"

ان کی آواز میں بہت سارے آنسو گھل گئے تھے۔ ان کا لہجہ ٹوٹ سا گیا تھا۔ انہیں لگا جیسے وہ ضبط کی انتہائی منزلوں سے گزر رہا ہو۔ چنگاری تو شعلہ بن چکی تھی۔ بڑے ابا کو کیا معلوم۔

"پاپا! کیا محبت نہ ملے تو بھی جیا جا سکتا ہے۔ آپ کیسے جیے۔"

انہوں نے سسکی سی لی۔

"میں کیسے جیا؟" جمال خان نے اپنے آپ سے پوچھا۔

تو بہت سارے آنسوؤں سے ان کا حلق تر ہو گیا اور ــــــ بہت سارے کانچ ان کے وجود میں اتر گئے۔

اور انہوں نے سوچا۔

یہ جینا تو جینا نہیں تھا۔ یہ تو اذیتوں کے پل صراط پر سفر کرنا تھا۔ کتنا مشکل سفر طے کیا تھا انہوں نے حالانکہ ان کے پاس تو طیب بھی تھا جس کے ہونے نے بارہا ان کی اذیتوں کو کم کیا تھا۔ جس نے انہیں جینے کا جواز دیا تھا اور بھلا طیب خان کے پاس کیا تھا۔ اس کا شیشہ تو بہت نازک تھا... وہ تو...

اور پھر وہ تہی داماں رہ جائیں گے

عمر بھر کی مسافتوں کا حاصل کچھ بھی نہیں۔

لیکن دوسری صورت میں طیب تہی داماں ہو جائے گا۔

"او کے پاپا I will see you soon" (میں جلدی آپ سے ملوں گا)

"نو... نہیں طیب! میرا انتظار کرو میری جان میں جلد ہی پہنچ رہا ہوں۔ اینڈلی سی۔ تاریخ اپنے آپ کو نہیں دہرائے گی طیب خان۔"

انہوں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

"اس لئے کہ طیب خان جمال خان کا نہیں حفیظ شاہ کا بیٹا ہے۔"

انہوں نے زیر لب کہا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں موند لیں اور برسوں بعد جیسے ان کے اندر کا اضطراب ہولے ہولے کم ہونے لگا۔

UrduPhoto.com